دارالعلوم حقانیہ

اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

ماھنامہ

الحق

بیاد: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم حقانیہ

مدیر مسئول: مولانا سمیع الحق

پاکستان کے پچاس سال مکمل ہونے کی مناسبت سے تاریخی دستاویزات اور ناقابل تردید حقائق کا مرقع

ماہنامہ "الحق" دارالعلوم حقانیہ کا خصوصی شمارہ

پاکستان کے پچاس سال مکمل ہونے کے سلسلے میں برصغیر میں اسلامی اور دینی صحافت کا علمبردار جریدہ ماہنامہ "الحق" نے ایک تاریخی دستاویز کے طور پر خصوصی نمبر شائع کردیا ہے۔ جس میں ملک وملت کے چوٹی کے مقالہ نگار اور مضمون نویس حضرات نے حصہ لیا ہے۔ ان مقالہ نگاروں میں علماء کرام کی نگارشات دورحاضر کے مشہور محققین، پروفیسرز، سکالرز، ڈاکٹرز اور دیگر دینی وقومی درد رکھنے والے حضرات شامل ہیں۔ انشاء اللہ موضوعات کی آفاقیت اور اہمیت کے اعتبار سے "الحق" کا یہ خصوصی نمبر آپ کو علم اور تحقیق کے نئے گوشوں اور زاویوں سے متعارف کرائیگا۔

موضوعات

★ پچاس سالہ روداد سفر ★ کیا پایا؟ کیا کھویا ★ پاکستان کی ضرورت کیوں؟
★ مقصد تخلیق پاکستان سے مسلسل انحراف ★ کیا ملک میں مغربی جمہوریت کا تجربہ کامیاب رہا۔
★ "گولڈن جوبلی" اور پاکستان ★ کیا واقعی سرسید دوقومی نظریہ کے بانی تھے؟
★ تحریک آزادی وتحریک پاکستان میں علماء کا روشن کردار ★ نظریہ پاکستان اور بانی پاکستان
★ آزادی کا مفہوم ★ ہمارے پچاس سالہ کارنامے ★ ملک تو بن گیا مگر قوم؟
★ مسلسل ناکامیوں کی داستان الم ★ پاکستان میں جمہوریت کا مستقبل۔

اسی طرح دیگر معلومات افزا اور سنسنی خیز انکشافات اور تجزیے

دفتر ماہنامہ "الحق" دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

صفحات: 164 قیمت صرف =/35 روپے

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ الحق

جلد نمبر ___ 33
شمارہ نمبر ___ 8
محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
مئی ___ ۱۹۹۸ء

11 MAY 1998
اکوڑہ خٹک

مدیر اعلیٰ	نگران	مدیر
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ	حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ	حافظ راشد الحق سمیع حقانی

ناظم شفیق فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز (طالبان اور شمالی اتحاد کے درمیان مذاکرات ، غوری میزائل ۔ مزید پیشرفت کی ضرورت ، امریکی بے وفائی ، عراقی مسلمانوں کا قتل عام، اندوہناک صدمہ ، صدر مملکت اور وزیر اعلیٰ سرحد کی دار العلوم آمد) ___ مولانا محمد ابراہیم فانی ___ ۲
معارف قرآنیہ ___ علامہ شمس الحق افغانیؒ ___ ۱۰
علم و عمل کی جیتی جاگتی شخصیت مولانا محمد منظور نعمانیؒ ___ جناب عبدالرؤف صدیقی ___ ۱۷
برصغیر پاک و ہند میں مسلم قومیت کے احیاء میں وحدت الشہود کا کردار ___ ڈاکٹر زکیا ہاشمی ___ ۲۴
اسلام کی معاشی نظام میں شراکتی کاروبار ___ پروفیسر ڈاکٹر محمد اصغر اسعد ___ ۳۷
تعلیمات اسلامی اور عالمی امن ___ محترمہ دلشاد بیگم ___ ۴۳
دہشت گردی عوامل اور اس کا حل ___ مولانا قاضی عبدالکریم صاحب ___ ۵۰
اسلامی ریاست کی خصوصیات ___ ماسٹر محمد عمر خان گڑھ ___ ۵۶
افکار و تاثرات ___ قارئین بنام مدیر ___ ۶۲
تبصرہ کتب ___ م ۔ ا ۔ ف ___ ۶۳

کمپیوٹر کمپوزیٹر ۔ سجاد خان
ماہنامہ الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان ۔ فون :- 630340 ,630435 - (0923)
سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ =/15 روپے سالانہ =/150 روپے ، بیرون ملک 20$ امریکی ڈالر
پبلشر ۔ مولانا سمیع الحق مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک منظور عام پریس پشاور

نقش آغاز

طالبان اور شمالی اتحاد کے درمیان مذاکرات

اندیشے خدشات، امیدیں اور توقعات

بالآخر ایک طویل جدوجہد کے بعد افغانستان کے دو متحارب فریق آپسمیں مل بیٹھ کر مذاکرات کے میز پر اپنا اپنا موقف پیش کرنے پر آمادہ ہوئے اور پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد نے انکو شرف میزبانی بخشا ہے۔ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ افغانستان کی حالت زار پر رحم فرماتے ہوئے اس لہو رنگ سرزمین کو امن و آشتی کا گہوارہ اور اسلامی نظام وقرآنی آئین کے انوار وبرکات سے منور خطہ بنادے۔ آج صورت حال یہ ہے کہ افغانستان کا تین چوتھائی حصہ بشمول دارالخلافہ کابل طالبان کے زیر قبضہ ہے جبکہ ان کا مخالف شمالی اتحاد ایک چوتھائی زمین پر مشترکہ طور پر قابض ہے۔ یہ شمالی اتحاد درحقیقت اتحاد بھی نہیں بلکہ ان کے درمیان قدر مشترک صرف طالبان دشمنی ہے۔

تھیں میرے اور رقیب کی راہیں جدا جدا
آخر کو ہم دونوں در جاناں پر ملے

جب طالبان کے ساتھ یہ لوگ لڑائی میں مصروف رہتے ہیں۔ تب متحد ہوجاتے ہیں اور جب یہ جنگ ختم ہوجاتی ہے تو پھر آپس میں باہم دست وگریباں رہتے ہیں۔

اپنے اپنے بیوفاؤں نے ہمیں یکجا کیا
ورنہ میں تیرا نہیں تھا اور تو میرا نہ تھا

یہاں پر بعض کج فہم تجزیہ نگار اور سیاسی زعماء اب بھی افغانستان میں ایک وسیع البنیاد حکومت کی بات کرتے ہیں، حالانکہ اس تلخ تجربے کے انجام کا کیا انہوں نے بچشم خود مشاہدہ نہیں کیا ہے؟ طالبان تحریک سے قبل بھی تو وہ وسیع البنیاد حکومت قائم تھی، لیکن اس کے باوجود بھی مسائل ومشکلات میں اضافہ ہوتا رہا، جس کے ردعمل کے طور پر طالبان تحریک منظم ہوئی۔ مگر چونکہ طالبان افغانستان میں خالص اسلامی نظام اور شریعت مطہرہ کا نفاذ چاہتے ہیں اس لئے اقوام متحدہ امریکہ، روس، بھارت اور دوسرے مغربی ممالک و بے دین قومیں انکے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔

چاہئیے تو یہ تھا کہ طالبان کی جائز حکومت کو اقوام متحدہ اور دیگر رکن ممالک تسلیم کرتے لیکن یہ یہودی ادارہ کب روئے زمین پر ایک ایسا خطہ برداشت کر سکتا ہے جہاں نظام مصطفیٰ کی حکمرانی ہے ۔ جہاں پر آئین قرآن کی بالادستی ہو ۔ اب انہیں قوتوں نے جن کو شمالی اتحاد کی سرپرستی کا "شرف" حاصل ہے اور انکی ہر قسم امداد واعانت کرتی ہیں نے شمالی اتحاد کے مردہ گھوڑے میں جان ڈالنے کیلئے طالبان کو انکے ساتھ مذاکرات کرنے پر مجبور کرنا شروع کیا اور پھر عین مذاکرات کے روز احمد شاہ مسعود نے" تمام بین الاقوامی اخلاقی ، شرعی اور انسانی اصولوں کو پامال کرتے ہوئے معاہدہ کے باوجود کابل پر حملہ کیا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسکے پیچھے خفیہ قوتیں کافرماہیں تاکہ دارالخلافہ پر قبضہ کرکے فریقین کے درمیان یہ مذاکرات متاثر ہوسکیں ۔ اور شمالی اتحاد کو زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل ہوں ۔ یہاں پر طالبان قیادت سے ہماری گذارش ہے کہ اس نازک موقعہ پر دشمن اور اس کے دوستوں کے ناپاک منصوبوں اور عیارانہ چالوں کو سمجھیں اور انتہائی حزم واحتیاط اور پھونک پھونک کر قدم اٹھائیں ۔ ایسا نہ ہو کہ جو کچھ آپ لوگوں نے عظیم قربانیاں اور ہزاروں دینی مدارس کے معصوم طلبہ کے مقدس خون کا نذرانہ دیکر میدان جہاد اور کارزاررزم میں بزور شمشیر حاصل کیا ہے اس سے مذاکرات کے میز پر ہاتھ نہ دھونے پڑجائیں کیونکہ یورپی اور دیگر اسلام دشمن قوتیں سیاسی بساط پر ایسی چالیں اورداؤپیچ استعمال کرتی ہیں جس کیلئے ہمہ وقت حاضردماغ اور ہوشیار ومحتاط رہنا پڑتا ہے ۔ اسلئے ان " پرویزی حیلہ گروں " کے دام تزویر سے بچنے کیلئے ہر ممکن کوشش ضروری ہے۔

در عشق وہوسنا کی دانی کہ تفاوت چیست
آں تیشہ فرہادے ایں حیلہ پرویزے

ہم اسلئے یہاں پر خدشات اوراندیشوں کا اظہار کررہے ہیں کہ امریکی صدر کے خصوصی ایلچی بل رچرڈسن نے ان متحارب گروپوں کو مذاکرات کیلئے آمادہ کرنے میں انتہائی بے تابی کا مظاہرہ کیا ہے جبکہ امریکہ کی عالم اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ " خصوصی تعلقات وعنایات " ہر کسی پر روزروشن کیطرح عیاں ہیں کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ کس قدر مخلص اور عالم اسلام کے ساتھ اسکی کتنی وفاداری ہے اسلئے ان مذاکرات کیلئے امریکی کوششیں ہمارے شبہ میں تقویت اور اضافے کے باعث ہیں ۔

مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دور جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

غوری میزائل اور اب مزید پیشرفت کی ضرورت

ابھی کچھ ادھ جلے تنکے بھی ہیں خاک نشیمن میں
ابھی ہنگامہ ہائے برق و باراں اور بھی ہونگے ۔ (کیفی)

مملکت عزیز پاکستان جس خطہ میں واقع ہے یہاں پر بد قسمتی سے اس کا ہمسایہ ایک ایسا ملک ہے جس نے قیام پاکستان سے لیکر آج تک پاکستان اور اس کی سرحدات کو دل سے تسلیم نہیں کیا۔ اس ضمن میں دونوں ملکوں کے درمیان تین جنگیں بھی لڑی جاچکی ہیں۔ اس لئے پاکستان کو اپنی دفاعی قوت کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی کوششیں موجودہ حالات کے تناظر میں عین تقاضائے وقت اور مبنی بر حقیقت ہیں۔ بھارت جوکہ پاکستان کے مقابلہ میں رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے کئی گنا بڑا ہے اسکے باوجود اس کا جنگی جنون اسلحہ کے انبار لگانا اور نت نئے تجربات اس بات کے غماز ہیں کہ اس کی یہ تمام تیاریاں اور فوجی تگ ودو صرف اور صرف پاکستان کیخلاف ہے۔ اگرچہ امریکہ بہادر ہمیں بار بار یہ "سودمند" مشورہ دے رہا ہے کہ پاکستان جیسے ترقی پزیر ملک کیلئے دفاع کی بجائے دیگر امور کیطرف توجہ دینا چاہئے لیکن یہ معمولی سی بات بھی اس کے ادراک سے باہر ہے کہ جب ملک ہوگا زمین ہوگی تب دیگر امور کیطرف توجہ دیجائیگی اور جب خاکم بدھن ملک نہ ہو، زمین نہ ہو تو پھر دیگر امور کا "تصور" کیسے کیا جاسکتا ہے؟۔ یہ بات تمام دنیا پر واضح ہے کہ اس سے پہلے بھارت ایٹمی دھماکہ کرچکا ہے اور اس کے بعد وقتاً فوقتاً نئے نت کیمیاوی تجربات کررہا ہے جس میں پرتھوی میزائل کا تجربہ شامل بھی ہے۔ اندریں حالات پاکستانی قوم شدت سے منتظر تھی کہ پاکستان بھی امریکہ دیگر صہیونی قوتوں اور سامراجی طاقتوں کی ناراضگی وخفگی کی پرواہ کئے بغیر جوابی کاروائی کرے تاکہ طاقت کا توازن بگڑ نہ جائے۔ چنانچہ ۶ اپریل ۱۹۹۸ء کو محسن پاکستان عظیم سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور ان کے ساتھیوں کی دن رات کوششوں اور انتھک محنتوں کے بعد غوری میزائل کا کامیاب تجربہ کیا گیا جس سے بھارت میں بی جے پی کی انتہاپسند حکومت میں کھلبلی مچ گئی اور خوشی سے پاکستان کے ہرفرد کی باچھیں کھل اٹھیں۔ بیشک اس کامیاب تجربے کا کریڈٹ ڈاکٹر عبدالقدرخان، ان کے ساتھیوں اور چیف آف آرمی سٹاف جنرل جہانگیر کرامت کو جاتا ہے جنہوں نے قوم کو یہ عظیم تحفہ دیکر نہ صرف پاکستان بلکہ تمام عالم اسلام پر عظیم احسان کیا۔ اس تجربے کے بعد بھارتی قیادت کے بیانات میں وہ لوچ وہ گھن گرج اور وہ خمار باقی نہیں رہا۔

موجودہ وزیراعظم میاں نوازشریف جب قائد حزب اختلاف تھے۔ انہوں نے یوم نیلابٹ کے موقع

پر قوم کو خوشخبری سنائی تھی کہ پاکستان ایٹم بم بنا چکا ہے اور بھارت کو دھمکیاں بھی دی تھیں لیکن اقتدار میں آنے کے بعد انہوں نے چپ سادہ لی ہے اور غوری میزائل کے تجربہ کے وقت بٹن دبانے کیلئے آپ موجود بھی نہیں تھے۔ جس سے بہت سے شکوک وشبہات نے جنم لیا۔ بہرحال قوم محترم وزیراعظم سے جرات رندانہ اور بے لچک موقف اپنانے کا متقاضی ہے۔ اور ساتھ ساتھ مسلمانان پاکستان اور عالم اسلام کی بے تاب نگاہیں ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور ان کی ٹیم کی طرف مرکوز ہیں۔ کہ وہ ایک قدم اور بڑھائیں اور ایٹمی دھماکہ کر کے یہود ونصاریٰ و ہنود اور دیگر اسلام دشمن قوتوں کے ناپاک عزائم خاک میں ملادیں۔ یہ دھماکہ نہ صرف پاکستان بلکہ تمام عالم اسلام کے مفاد میں ازحد ضروری ہے انشاء اللہ یہ شاخ تمنا بہت جلد ہری ہوجائیگی۔

؎ لرزتے ہیں تمھارے ہاتھ اب تیر آزمائی میں
کہاں پیوست ہوتا ہے یہ پیماں ہم بھی دیکھیں گے (سیف)

امریکی بے وفائی۔ بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے

گذشتہ دنوں پاکستان کے وزیر خارجہ گوہرایوب خان نے امریکہ کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ بالکل بجا اور تمام پاکستانی قوم کے دل کی آواز ہے۔ کیونکہ ہم نے ہمیشہ امریکہ جیسے عیار ومکار اور دغاباز ملک پر تکیہ اور اعتماد کیا ہے اور اس کی کج ادائیوں اور بے وفائیوں کا خمیازہ ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔

؎ تیری کج ادائیوں پر تیری بے وفائیوں پر
کبھی سر جھکا کے روئے کبھی منہ چھپا کے روئے

انہوں نے کہا کہ فوجی سازوسامان کے معاملہ میں امریکہ نے ہمیشہ بے وفائی کی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ۱۹۶۵ء پھر ۱۹۷۱ء میں پاکستان پر غیر منصفانہ پابندیاں لگادی گئیں۔ ۱۹۸۷ء میں پریسلر ترمیم کے ذریعہ پاکستان کو سہ بارہ غیر منصفانہ پابندیوں کی زنجیروں میں جکڑ لیا گیا۔ ایف ۱۶ کے بارے میں امریکہ نے تمام اخلاقی اصولوں کو پامال کرتے ہوئے سودا کے باوجود نہ جہاز پاکستان کے حوالے کئے گئے اور نہ اس کی لی گئی قیمت۔ پھر اس پر ستم بالائے ستم یہ کہ جہاں پر جہاز کھڑے ہیں سکا کرایہ ابھی تک پاکستان سے وصول کیا جارہا ہے۔ امریکہ اس خطہ میں بزعم خویش امن کا خواہاں

ہے لیکن اس کی یہ منطق عجیب ہے کہ پاکستان کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ تخفیف اسلحہ فوج، فوجی سازوسامان اور دفاعی اخراجات میں کمی کرے جبکہ بھارت کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔

مجھ ہی سے سب یہ کہتے ہیں کہ رکھ نیچی نظر اپنی
کوئی ان سے نہیں کہتا نہ نکلو یوں عیاں ہوکر

حالانکہ یہ بات تمام اقوام عالم کو معلوم ہے کہ اس خطہ میں جارح کون ہے اور کونسا ملک توسیع پسندی اور پڑوسی ممالک پر تفوق کے جنون میں مبتلا اور بالادستی کے نشہ سے سرشار ہے۔ اندریں حالات امریکہ کو چاہیئے تھا کہ بھارت کو زیادہ سے زیادہ پابندیوں میں مقید رکھے، اس کو کشمیر میں انسانی خلاف ورزی سے روک دے اور اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل کرانے کا پابند بنادے۔

اسی تناظر میں وزیرخارجہ کا یہ بیان خوش آئند ہے کہ انہوں نے قومی احساسات کا ادراک کرتے ہوئے امریکہ کو بے وفا اور ناقابل اعتبار گردانا ہے۔ ماضی کے تلخ تجربات، پاکستان کے ساتھ نامناسب رویہ، صیہونی بالادستی کیلئے کوشاں اور عالم اسلام کے ازلی دشمن امریکہ سے خیر کی توقع رکھنا کار فضول اور وقت کا ضیاع ہے۔ ہم نے ہر آڑے وقت اور مشکل لمحہ میں امریکہ پر انحصار کیا اور اس نے ہمیشہ ہمیں "محبوب طناز" کیطرح جھوٹے وعدوں پر فریب دعووں اور کہہ مکرنیوں میں مبتلا کرکے، گلوخلاصی کی۔ لیکن ہماری سادگی بھی "قابل رشک" ہے کہ ان تمام دغابازیوں کے باوجود ہم "بے مزہ" نہ ہوئے اور اس کی وفاداری کی آس لگائے بیٹھے رہے۔

ع کوئی ایسا کر بہانہ میری آس ٹوٹ جائے۔

ہماری دعا ہے کہ وزیر خارجہ کا امریکہ کے بارے میں تاثرات اور یہ خوش کن خیالات محض "تصور" تک محدود نہ ہوں اور عملی طور پر اسکے مظاہر قوم کے سامنے آجائیں تاکہ ان احساسات کی "تصدیق" کی جاسکے۔

عراقی مسلمانوں کا قتل عام اور اقوام متحدہ کی بے لبسی یا بے حسی؟

خلیجی جنگ کے بعد اقوام متحدہ نے عراق پر اقتصادی پابندی لگائی ہے جسکی وجہ سے عراقی عوام گوناگوں مسائل میں گرفتار ہزارہا مصائب کے شکار اور مہلک ترین امراض میں مبتلا ہیں اور اس دوران ۲۰ لاکھ سے زائد افراد ہلاک ہوچکے ہیں۔ (ان پابندیوں کی وجہ سے عراق میں جوتباہی

ہوئی ہے اس کی ہولناک تفصیل بی بی سی نے اپنے پروگرام "میزان" میں بھی پیش کی ہے) جس میں کثیر تعداد بچوں کی ہے ۔ ہسپتالوں میں ہر روز دوائیاں دستیاب نہ ہونے کے باعث سینکڑوں بچے موت کی آغوش چلے جاتے ہیں جس کے دلدوز مناظر اور دلخراش وجگرپاش تصویریں الیکٹرانک میڈیا پر دکھائی جارہی ہیں ۔ لیکن اس کے باوجود بھی اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل امریکہ اور صیہونی گماشتوں کے دباؤ میں یہ پابندیاں نرم کرنے یا اس میں لچک پیدا کرنے کے موڈ میں نظر نہیں آتے ، گوکہ عراق نے اقوام متحدہ کے تمام شرائط تسلیم کیے حتیٰ کہ اس کی عزت نفس پر بھی حملہ کیا گیا اور اسکی قومی خودمختاری کی بھی تذلیل کی گئی اور امریکہ نے اپنی ہٹ دھرمی برقرار رکھتے ہوئے یہودی معائنہ کار صدارتی محلات کی چھان بین کیلئے بھیجدیے ۔ ہماری رائے تو پہلے سے یہی تھی کہ امریکہ اسرائیل کو تحفظ دینے کیلئے ان تمام شرائط کی تکمیل کے بعد بھی اقتصادی پابندیاں برقرار رکھنے کیلئے اپنا اثرورسوخ اور دباؤ برقرار رکھے گا ۔ عراقی وزیرخارجہ نے کئی بار اقتصادی پابندیاں اٹھانے کیلئے درخواست دی کہ چونکہ اقوام متحدہ کے معائنہ کاروں کوعراق سے کسی قسم کے ایٹمی یا کیمیاوی ہتھیاروں کے ذخیرہ کاسراغ نہیں ملا ہے اس لئے اب اقتصادی پابندیوں کا کوئی جواز نہیں ۔ عجیب منطق ہے کہ روس ، فرانس اور چین عراق پر مزید پابندیوں کا حق میں نہیں لیکن امریکہ اور برطانیہ بہرحال یہ پابندیاں برقرار رکھنا چاہتے ہیں ۔ اس لئے امریکہ نے دھمکی دی ہے کہ اگر کثرت رائے سے اقتصادی پابندیاں ہٹائی گئیں تو امریکہ اس کو ویٹو کریگا جس سے یہ بات بالکل روزروشن کی طرح عیاں ہے کہ امریکہ عراق کو سزا نہیں بلکہ صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتا ہے ۔ گویا اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل امریکہ کی بدمعاشی کے سامنے بےبس ہیں ۔ یا یہ ادارے اتنے بے حس ہوچکے ہیں کہ ان کو امریکہ کی یہ دھرتی نظر نہیں آتی ۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام عالم اسلام خصوصاعرب ممالک جوکہ تیل اور دیگر معدنیات کی دولت سے مالامال ہیں ۔ ایک مشترکہ لائحہ عمل تیار کریں ۔ جس سے عراقی عوام بالخصوص اور عالم اسلام کی زبوں حالی کا تدارک کیا جاسکے ۔

ؔ فرعون بنے جو پھرتے ہیں ڈھاتے ہیں ستم کمزوروں پر
ان سرکش وجابر لوگوں کو قدموں پہ جھکا کر دم لیں گے

(کیفی)

خاندان شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ کو

اندوہناک صدمہ

گذشتہ دنوں ۲۷ اپریل ۱۹۹۸ء کو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس اللہ سرہ کی صاحبزادی اور حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی ہمشیرہ محترمہ کے اچانک انتقال اور ناگہانی رحلت کا واقعہ فاجعہ پیش آیا۔ وہ پشاور کے لیڈی ریڈنگ ہسپتال میں ایک معمولی اپریشن کے بعد بوقت ڈیڑھ بجے اپنے خالق حقیقی سے جاملیں۔ ان کی عمر تقریباً ۴۰ سال تھی۔ جوں ہی دارالعلوم میں آپ کی وفات کا بذریعہ لاؤڈ سپیکر اعلان ہوا، عصر کا وقت تھا اور نماز عصر کے فوراً بعد تمام طلبہ نے مرحومہ کے ایصال ثواب کیلئے ختم القرآن کا اہتمام کیا۔ ختم قرآن کے بعد مرحومہ کے ماموں حضرت مولانا عبدالحنان صاحب مدظلہ فاضل دیوبند نے اجتماعی دعا فرمائی اور مرحومہ کو انکے روحانی کمالات و اوصاف حمیدہ کے باعث الولد سرّ لابیہ کا مصداق ٹھہرایا۔

موت کا گو ایک وقت معین ہے اور بقحوائے فرمان خداوندی ان اجل اللہ اذا جاء لایوخر لوکنتم تعلمون۔ الآیۃ اور اذا جاء اجلہم لایستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون۔

؎ ذوق اس بحر فنا میں کشتی عمر رواں جس جگہ پر جالگی بس وہ کنارہ ہوگیا

لیکن جس اندوہناک حالت میں اچانک مرحومہ کی وفات ہوئی۔ اس میں موقعہ پر موجود ڈاکٹروں کی بے توجہی، روایتی لاپرواہی اور غفلت کا بڑا دخل ہے۔

؎ جب مسیحا دشمن جاں ہو تو کب ہے زندگی کون رہبر ہو سکے جب خضرؑ پھسلانے لگے

مرحومہ شاہدہ بی بی حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے بھائی نورالحق صاحب کے فرزند الحاج احتشام الحق حقانی صاحب کی اہلیہ تھیں اور اس لحاظ سے بھی مرحومہ کی موت قابل صد افسوس ہے کہ اس کے پسماندگان میں چار چھوٹے اور معصوم بچے ہیں، جن کو گردش دوراں نے زخم یسیری کی تکلیف میں مبتلا کرکے وہ داغ مفارقت دے گئیں اور یوں یہ معصوم کلیاں ماں کے سایہ شفقت سے محروم ہوئیں۔ جوں ہی احباب و متعلقین اور دیگر افراد کو اس واقعہ کا علم ہوا تو حضرت شیخ الحدیثؒ کے خاندان کے ساتھ ہمدردی کے طور پر تعزیت کرنے والوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوا اور یہ جانکاہ خبر آناً فاناً جنگل کی آگ کی طرح پورے علاقہ اور گردونواح میں پھیل گئی۔ دوسرے دن صبح تمام اخبارات نے یہ اندوہناک خبر جلی سرخیوں کے ساتھ شائع کی اور ریڈیو پاکستان نے بھی خبروں کے بولٹن میں یہ اعلان نشر کیا۔ جنازے کا وقت ۲۸ اپریل کو صبح ۹ بجے مقرر کیا گیا لیکن وقت سے

پہلے عوام وخواص علماء و دینی مدارس کے اساتذہ وطلباء ، سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں الغرض زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے حضرات کی ایک بہت بڑی تعداد پہنچ چکی تھی ۔ دارالعلوم سے متصل مرکزی عیدگاہ اور اسکے ساتھ ملحقہ علاقہ کھچاکھچ بھر چکا تھا جبکہ اندر جانے والے راستے بھی ہجوم کے ہاتھوں ایسے بھر چکے تھے کہ سینکڑوں حضرات جنازہ کی نماز سے محروم رہے ۔ جنازہ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے خود پڑھایا اور مرحومہ حضرت شیخ الحدیث کے سرہانے انکی اہلیہ محترمہ یعنی مرحومہ کی والدہ ماجدہ کے پہلو میں سپرد خاک کی گئیں ۔ لحد میں جسد خاکی کو دفنانے کے بعد شیخ الحدیث مولانا سید شیر علی شاہ صاحب مدظلہ نے غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے مرحومہ کے خویش واقارب رشتہ داروں ، علماء ، طلباء اور عوام کے عظیم مجمع سے خطاب فرمایا جس میں حضرت شیخ الحدیث کے خاندان کی عظمت ۔مرحومہ کے اوصاف اور اس خاندان کی امت مسلمہ پر عظیم احسانات کا تذکرہ فرمایا ۔ جوں جوں یہ خبر پھیلتی جارہی ہے تعزیت کرنے والوں کا سلسلہ بڑھتا جارہا ہے اور ابھی تک دوردراز علاقوں سے تعزیت اور فاتحہ خوانی کیلئے لوگ تشریف لارہے ہیں علاوہ ازیں ملک وبیرون ملک سے خطوط ، ٹیلگرامز کے ذریعہ مولانا سمیع الحق صاحب کے ساتھ تعزیت جاری ہے ۔ دل کی گہرائیوں سے ہماری یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جوار رحمت میں اعلی علیین کے مقام ارفع پر فائز فرمادے اور پسماندگان بالخصوص مولانا سمیع الحق صاحب ، جناب محمودالحق حقانی ، مولانا حافظ انوارالحق ، الحاج اظہارالحق ، جناب الحاج احتشام الحق حقانی اور دیگر ہمشیرگان واہل خانہ و خاندان کو اس عظیم صدمہ پر صبر واستقامت کی توفیق ارزانی فرمائے ۔ آمین ۔

ان للّٰہ ما اخذ ولہ ما اعطی - اللھم نور قبرھا وبرد مضجعھا وضریحھا وانزل علیھا شآبیب رحمتک وغفرانک ۔

صدر مملکت اور وزیراعلیٰ سرحد کی دارالعلوم آمد

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی صاحبزادی کی وفات پر تعزیت کیلئے تین مئی کو صدر پاکستان جناب محمد رفیق تارڑ صاحب تشریف لائے ۔ انہوں نے مولانا سمیع الحق صاحب کیساتھ ان کی ہمشیرہ کے سانحہ ارتحال پر تعزیت کی ۔ اس موقع پر دارالعلوم کے تمام اساتذہ اور طلبہ کے علاوہ کثیر تعداد میں تعزیت کیلئے آنے والے مہمان موجود تھے ۔ مولانا نے صدر صاحب کی آمد پر ان کا شکریہ ادا کیا ۔ جواب میں صدر صاحب نے دارالعلوم اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ کی دینی اور ملی خدمات کو زبردست الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ مولانا مرحوم کے پورے عالم

* بقیہ صـ 42 پر

علامہ سید شمس الحق صاحب افغانی قدس سرہ
مرتب :- جناب مولانا عبدالغنی صاحب

معارف ــــ قرآنیہ

قارئین کرام حضرت علامہ سید شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قیام بہاولپور کے دوران جو درس قرآن بیان فرمائے تھے ان میں سے چند آیات قرآنی کے نکات پیش کئے جاتے ہیں۔ انشاء اللہ ان کے پڑھنے سے علمی افادہ ہوگا۔ آیات قرآنی کی مختصر تشریح کے علاوہ کچھ حضرت جیؒ کے بیان کردہ فرمودات بھی ہوں گے۔ نیز جن سادہ اور آسان الفاظ میں حضرت جیؒ نے بیان کئے انہی الفاظ کو ہی تحریر کیا جارہا ہے، اپنی طرف سے کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔

(۱) مقام قرآن ومقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم :- حضرت جیؒ کی خدمت میں سوال کیا گیا کہ قرآن شریف کا مقام بلند ہے یا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا؟ آپ نے فرمایا! ایک ہے معجزہ اور دوسرا ہے صاحب معجزہ۔ معجزہ سے صاحب معجزہ کا مقام بلند ہوتا ہے۔ قرآن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

(۲) اللہ کی رسی :- "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً" اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو۔ مفسرین نے حبل کو استعارہ لیا ہے۔ حبل سے اللہ کا دین، قرآن یا شریعت محمدی کوئی مراد لے لو۔ حبل میں دو صفات ہیں۔ (۱) ارتقاء (۲) تحفظ عن الاسقاط۔ ڈول کو رسی سے باندھ کر کھینچو تو ڈول کو اوپر بھی لے آتی ہے اور گرنے سے بھی بچاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کو خلوص اور پختگی سے اپناؤ گے تو دینی اور دنیوی دونوں کامیابیاں حاصل ہوں گی۔

(۳) سادہ اور تعلیمی جاہلیت :- "وقرن فی بیوتکن ولاتبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی" فرمایا کہ گھروں میں برقرار ہو اور اب تم پرانی جاہلیت والی عورتوں کی طرح آزادانہ نہیں پھر سکتیں۔ قرآن کریم نے یہاں جاہلیت اولیٰ کا ذکر کیا تو اولیٰ اخریٰ کی طرف اشارہ ہے۔ مثلاً جب ہم کہیں کہ پہلی گاڑی آگئی یا پہلی جماعت آگئی تو ذہن فوراً اسی بات کی طرف جاتا ہے کہ دوسری بھی آئے گی۔ تو ہم حیران تھے کہ قرآن نے پہلے والی جاہلیت کی تخصیص کیوں کی؟ تو یہ جاہلیت اولیٰ اخریٰ کی طرف اشارہ ہے۔ تو خدا کو تو معلوم تھا کہ یورپ اورامریکہ کی تعلیم کے نام سے دوسری یعنی بعد میں

تعلیمی جاہلیت آئے گی اور تعلیمی جاہلیت بنسبت سادہ جاہلیت کے زیادہ نقصان کرتی ہے۔ سادہ جاہلیت کی اصلاح ممکن نہیں ہے اور تعلیمی جاہلیت کی اصلاح ممکن نہیں جیسے آجکل آپ دیکھ رہے ہیں۔

(۴) **فتنہ وفساد میں فرق** :- " تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر " اگر تم نے (مسلمانو حق کی حفاظت نہ کی اور کفر غالب آگیا کسی بھی زمانے میں تو ملک میں فتنہ وفساد پھیلے گا۔ جس کے تم ذمہ دار ہوگے۔ یعنی علماء کرام بالخصوص اور مسلمان بالعموم کیونکہ انہوں نے حق لوگوں تک نہیں پہنچایا۔ جب اللہ تعالیٰ کے حقوق کی تباہی ہو تو اسے فتنہ کہتے ہیں اور جب انسانی حقوق کی تباہی ہو تو اسے فساد کہتے ہیں۔

(۵) **اسلامی ثقافت یا تہذیب** :- آج کل ہمارے پاکستانی لیڈروں کی زبان پر ایک لفظ عام بولا جاتا ہے۔ (ثقافت) ہر ملک کے وفد ایک دوسرے ممالک بھیجے جاتے ہیں جو آپس میں ثقافتی وفود کا تبادلہ کرتے ہیں اور ثقافتی معاہدات بھی ہوتے ہیں، تو اس سے معلوم ہوا کہ دور حاضر کی حکومتوں کیلئے یہ (ثقافت) ایک بہت بڑا اہم مسئلہ ہے اور لیڈروں اور حکمرانوں کی زبان پر یہ ورد ہے کہ مسلمانوں کی ثقافت کی حفاظت ہونی چاہیئے۔ مگر یہ صاحبان ثقافت اور تہذیب کے معنی ومفہوم تک نہیں جانتے۔ میں مختصر طور پر یہ بتلادوں کہ ثقافت وہاں سے چلی ہے جہاں سے اسلام چلا ہے یعنی جب سے اسلام آیا پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے نبوت کا دعوی کیا۔ ثقافت بھی اسی دن سے چلی میرا خیال ہے کہ اس جملے پر ذرا غور کریں تو آسانی سے سمجھ آجائے گا کہ اسلامی ثقافت کیا ہے دو لفظ ہوئے۔ (۱) اسلامی (۲) ثقافت

" فاما تثقفنهم فی الحرب فشرد بهم من خلفهم لعلهم یذکرون "

ترجمہ :- اگر تم انہیں (بدعہد لوگوں کو) جنگ میں دیکھ لو تو انہیں ایسی سزا دو کہ پیچھے والے بھاگ جائیں تاکہ آئندہ کے لئے انہیں سبق آجائے۔

ثقافت کیا چیز ہے ؟ :- حضرت امام راغبؒ فرماتے ہیں : " الحذق فی الامورو فعله " (کہ کسی معاملے کو درست سمجھنا اور اسی کے مطابق عمل کرنا۔ یہ ہے ثقافت کا معنی)۔ تو ثقافت تو ہر چیز کی ہوسکتی ہے مگر یہاں نسبت ہے اسلامی۔ یعنی اسلامی ثقافت۔ جب اسلامی لفظ ساتھ لگ جاتا ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ (اسلامی امور کو درست سمجھنا اور ان کے مطابق عمل کرنا)۔

قرآن مجید کیا کہتا ہے؟ :- قرآن کہتا ہے کہ اسلام کے سوا کسی انسان، کسی قوم یا کسی ملک سے کوئی نظریہ آجائے تو قرآن کی اصلاح میں اسے جاہلیت کہتے ہیں۔

" افحکم الجاهلیة یبغون ومن احسن من الله حکماً لقوم یوقنون " (اب کیا حکم

چاہتے ہیں کفر کے وقت کا اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم کرنے والا یقین کرنے والوں کیلئے)۔
کیا اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کافی نہیں۔ اب تم دوسرں سے تہذیب وثقافت لیکر اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو توڑتے ہو۔ یہ تو ثقافت کا مفہوم تھا۔ ثقافت کے مختلف شعبے ہیں۔

جاہلیت کی ثقافت :- یعنی کفار کی ثقافت۔ (۱) عورت کا ناچ گانا (۲) شراب خوری (۳) مال کو بے جا صرف کرنا (۴) اللہ تعالیٰ اور آخرت کو بھولنا (۵) فوٹو کھینچوانے کا عاشق بننا وغیرہ۔ کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانے میں یہ مذکورہ بالا بے حیائی اور فحاشی تھی؟

اسلامی ثقافت :- اسلام نے ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں ثقافت دی ہے، اس پر چل کر ہماری بقا ہے۔ زندگی، موت وحیات، خوشی وغمی، تندرستی وبیماری، مجلس وتنہائی، اخلاق وتعلیم، ذکر وعبادت وغیرہ ان سب میں اسلام ہمیں ایک ثقافت دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ ہم اس ثقافت پر چل کر اپنی بقاء کو محفوظ رکھیں۔ یہ قاعدہ ہے کہ جو قوم اپنی ثقافت اور سابقہ روایات کو برقرار رکھے وہ قوم زندہ رہتی ہے۔ دنیا میں ایسی قوم ہندو دیکھی گئی ہے۔ بزدل اور بخیل ہونے کے باوجود بھی قائم ہے۔ حالانکہ وہ باطل روایات رکھتی ہے اور مسلمان جس کے حق کی روایات ہیں صرف ان پر عمل نہ کرنے کیوجہ سے ریت کا ٹیلہ بنا ہوا ہے کہ جس طرف سے ہوا کا طوفان آیا وہ اپنے ساتھ اڑا کر لے گیا۔ آج ہم مسلمانوں پر جو مصائب ہیں یہ اپنی ثقافت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہیں۔

آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پہ چلنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

(۶) اسلامی معاشرت :- معاشرت عربی زبان کا لفظ ہے۔ آج ہر طرف سے یہ آوازیں آتی ہیں کہ معاشرہ درست کرو مگر پتہ یہ بھی نہیں کہ یہ کس زبان کا لفظ ہے۔ یہ لفظ عشرۃ سے نکلا ہے اور عشرۃ کا معنی دس اور عشرۃ عربی زبان میں کبھی بہت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یعنی عشرۃ کا لفظ کثرت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ ایک سے دس تک عدد ختم ہوگئے پھر احد عشر کہتے ہیں۔ مفردات القرآن میں لکھتے ہیں کہ معاشرہ کو معاشرہ اس لئے کہتے ہیں کہ جب کسی قوم کا معاشرہ درست ہو تو ایک آدمی دس یا اس سے بھی زائد آدمی بن جاتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی کے محلے میں ایک سو آدمی رہتے ہیں اور وہاں اسلامی معاشرہ ہوتو وہ سب ایک دوسرے کے ہمدرد ہیں تو ایسی صورت میں وہ ایک آدمی نہیں بلکہ سو ہیں۔ تو وہاں کا ہر ایک آدمی سو ہے اور اگر معاشرہ درست نہ ہو تو وہ تنہا ہے۔ ایک ہے اور باقی اس کے اردگرد سب دشمن ہیں۔

اسلامی معاشرے کا سرچشمہ :- ہمارے معاشرے کا سرچشمہ قرآن وسنت ہیں۔ دیگر قوموں

سے صنعت وحرفت تو درآمد کریں گے مگر معاشرہ درآمد نہیں کرینگے ۔ آج چین سے تعلق ہوا تو کچھ لینا ہے لیں گے مگر اس کا معاشرہ نہیں اپنائیں گے ۔ اسکا نظریہ اور افکار نہیں اپنائیں گے ۔ اگر معاشرہ بدلا تو قوم کی خصوصیت بدل جائیگی ۔ اگر معاشرہ بدل گیا تو ہم کاغذی پھول بنکر رہ جائیں گے ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود مدینہ اور نجران کے عیسائیوں سے معاہدے کئے تھے۔

۱ کیا آپؐ نے ان کا معاشرہ اپنایا تھا ؟ نہیں (۲) کیا ان کے افکار اپنائے تھے ؟ نہیں

(۳) کیا ان کی ثقافت اور تہذیب وتمدن اپنائی تھی ؟ نہیں

(۷) علم گھول کر پیا ہے :- حضرت مولانا محمد شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہ یہ حضرت علامہ افغانیؒ کے نامور شاگرد گزرے ہیں ۔ ان کے شاگرد مولانا کفایت اللہ قاسمی صاحب جو اس وقت فوج میں خطیب ہیں ۔ انہوں نے مجھے حضرت مولانا محمد شریف کشمیریؒ کے حوالے سے بات سنائی ، کہ حضرت کشمیریؒ نے فرمایا جب میں دیوبند میں پڑھتا تھا تو مہتممؒ صاحب کو کسی نے شکایت کردی کہ افغانی صاحبؒ جو اسباق پڑھاتے ہیں ان کتب کا مطالعہ نہیں کرتے ۔ مہتممؒ صاحب نے افغانیؒ صاحب سے اس شکایت کا ذکر کیا تو افغانیؒ صاحب نے کہا کہ آپ کو مجھ سے صحیح کام لینے کی غرض ہے یا کہ مطالعہ کی ؟ اس جواب سے معترض صاحبان کی تسلی نہ ہوئی وہ معترض ہی رہے تو مہتمم صاحبؒ نے فرمایا ہم آپکا سبق پڑھانا سنیں گے ۔ حضرت افغانیؒ صاحب نے کہا بہت خوشی سے سنیں ۔ تو ایک دن سبق کے وقت دیوبند کے تمام اساتذہ کرامؒ کمرے میں تشریف لے آئے ۔ ابھی سبق شروع نہیں ہوا تھا کہ چند اساتذہ کرامؒ نے پوچھا کہ دوران سبق سوال کرنے کی اجازت ہوگی ؟ افغانیؒ صاحب نے فرمایا نہیں ۔ میں بیان کرتا ہوں اگر آپکی تشفی نہ ہوتو بیان کے بعد سوالات کرلینا۔ حضرت افغانی صاحبؒ نے وہی اپنے انداز میں ایک طالب علم سے پوچھا کیا بیان چل رہا تھا ؟ بس طالب علم ابھی بات شروع ہی کررہا تھا کہ آپؒ نے سبق پر بیان شروع کردیا ۔ سبق فلسفہ کی کتاب کا تھا ، مضمون خاصا مشکل تھا ۔ افغانیؒ صاحب نے علماء کرامؒ کو دیکھ کر اس دن اپنے بیان کا انداز بالکل بدل لیا ۔ کلام طلبہ کے معیار سے بلند کرکے بیان کرنے لگے ۔ جب حضرت افغانیؒ کا علم وفن خوب جوش پر تھا تو تمام اساتذہ کرامؒ حیران بیٹھے نظر آرہے تھے ۔ جب افغانی صاحبؒ نے سبق ختم کیا تو اپنے مخصوص انداز میں اساتذہ کرام سے پوچھا (مضمون آیا) سب نے کہا ماشاء اللہ

بعدازاں حضرت افغانیؒ نے فرمایا اساتذہ کرام ! ہم نے حضرت (انورشاہ) نوراللہ مرقدہ کا علم صرف پڑھا ہی نہیں بلکہ گھول گھول کر پیا ہے ۔ آپ جس فن کی کتاب اٹھالائیں کسی مقام کی عبارت

پڑھنے کی ضرورت نہیں صرف اس مقام کے باب کا نام لیں ہم اس پر بیان شروع کردیں گے۔ ہم نے علم استادوں کے پاؤں دبا باکر حاصل کیا ہے یہ ان کا فیض ہے۔

(۸) حق و باطل کی ٹکر :- اگر دیکھا جائے تو حضورنبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لیکر آج تک حق و باطل کی آپس میں تین ٹکر ہوئی ہیں۔

(۱) بدر کے مقام پر حق و باطل کی پہلی ٹکر ہوئی۔ اس وقت ایمان اور عمل پورے اخلاص سے عروج پر تھا کہ پھر دنیا نے دیکھا کہ ہزاروں سال پرانی باطل کی عظیم سلطنتوں کو حق نے تباہ و برباد کر ڈالا حالانکہ اس وقت مسلمانوں کے پاس دنیاوی اسباب نہ ہونے کے برابر تھے، صرف قوت ایمانی تھی۔ (۲) دوسری ٹکر ۶ سنہ ھ میں تاتاریوں سے ہوئی۔ اس وقت کچھ اسلامی اخلاق باقی تھے۔ مکمل طور پر اسلام کا وجود نہ تھا۔ مگر ان اسلامی اخلاق کی وجہ سے ان تاتاریوں میں سے مغل اور ترک عثمانی پیدا ہوئے۔ (۳) تیسری ٹکر برصغیر ہندوستان میں ۱۸۵۷ء میں ہوئی اس وقت نہ اسلام تھا اور نہ اسلامی اخلاق باقی تھے۔ پھر دیکھ لیا کہ آج تک مسلمان سنبھل نہ سکے۔ مسلمانوں کی ترقی کا راز صرف اور صرف اسلام پر عمل کرنے میں ہے۔

(۹) تخلیقی مطابقت :- جمادات، نبات، حیوانات اور انسان، ان سب کی تخلیق میں خدا تعالیٰ نے مطابقت رکھی ہے۔ تخلیقی لحاظ سے اگر ایک چیز جمادات میں ہے تو نباتات میں وہ چیز بھی رکھی اور ساتھ اپنی حکمت کے تحت اسے دوسری چیز بھی عطا کی اسی طرح حیوانات اور انسان بھی جس طرح ۳ میں اگر ایک نہ ملایا جائے تو وہ تین نہیں بنتا اور جب تک تین میں ایک نہ ملایا جائے تو چار نہیں بنتا وغیرہ۔ تخلیق میں چار چیزیں ہیں۔ (۱) وجود (۲) نشوونما (۳) حرکت ارادی (۴) شعور

جمادات :- جمادات کو خدا تعالیٰ نے وجود دیا ہے ان میں نشوونما، حرکت ارادی وغیرہ نہیں، وہ پہلے دن سے جس وجود میں آئے اسی طرح اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ مثلاً زمین و آسمان اور پہاڑ۔

نباتات :- نباتات کو خدا تعالیٰ نے جمادات کی طرح وجود بھی دیا اور ساتھ دوسری چیز نشوونما بھی عطا کی، مثلاً درخت میں بڑھنے اور پھیلنے کی صلاحیت موجود ہے، وہ اپنی قسم کے مطابق قدآور بھی بنتا ہے اور اردگرد پھیلتا بھی ہے۔

حیوانات :- حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے جمادات کی طرح وجود اور نباتات کی طرح نشوونما کے علاوہ حرکت ارادی عطا کی کہ جانور اپنے ارادے سے حرکت کرتے ہیں۔

انسان :- انسان کو اللہ تعالیٰ نے جمادات کی طرح وجود اور نباتات کی طرح نشوونما اور حیوانات کی طرح حرکت بھی دی۔ اب اگر انسان یہاں تک ہے تو وہ حیوان ہے انسان نہیں۔ یعنی نفسانی

خواہشات پر عمل کرنے والا حیوان ہے انسان نہیں۔ اسی لئے ایسے انسان کو بل ھم اضل کہا گیا۔ کہ شعور کے باوجود حیوانوں جیسی حرکات کرتا ہے تو وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہے۔ انسان کو شعور عطا کیا کہ وہ اپنے شعور سے منفعت حاصل کرے اور مضرت سے بچے۔ تو انسان وہ ہے جو اپنے قصد حیات کو سمجھے۔ وہ ہے اللہ کی عبادت کرنا۔ " وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون " (ہم نے جن اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا)۔

(۱۰) فیضان خدا :- حضرت افغانیؒ کی عادت تھی کہ آپ چاہے طلباء کو درس دیں یا عوام الناس میں تقریر فرمادیں تو آپؒ کو پہلے سے موضوع یا عنوان کا کوئی علم نہیں ہوتا تھا۔ بس بیان سے قبل پوچھتے کیا بیان کرنا ہے ؟ بس ابھی طالب علم پہلا لفظ منہ سے نکالتا ہی تھا کہ آپ معاً بیان شروع فرمادیتے۔ تو ایک مجلس میں چند بزرگوں نے حضرت جیؒ سے تعجب کے انداز میں سوال کردیا۔ تو حضرت جیؒ نے فرمایا (ہمارا کیا بس ہم نے خطبہ مسنونہ پڑھا اور پرنالہ عرش سے جڑ گیا) جو کچھ اوپر سے آتا گیا ہم اسے بیان کرتے گئے۔ یہ فیضان خداوندی ہے۔

(۱۱) حیوان ناطق :- حضرت جیؒ چونکہ صاحب کشف بزرگ تھے یہ تو ہم نے اکثر دیکھا تھا کہ آپؒ درس کے دوران طلباء اور لوگوں کے سوالات کا جواب بغیر سوال کئے بیان فرماتے اور دوران درس جواب دیتے وقت حضرت جیؒ اسی شخص کی طرف دیکھتے جس کے دل میں وہ سوال ہوتا تھا۔ ان حضرات میں میرے ایک استاد محترم بھی ہیں اور جو ابھی تک کالج میں پروفیسر ہیں۔ یہ استاد محترم نہ صرف مودودیت سے تائب ہوئے بلکہ حضرت جیؒ سے بیعت بھی ہوئے۔ جب استاد محترم نے حضرت جیؒ کو یہ باتیں سنائیں تو آپؒ تھوڑے سے مسکرادئے۔ اس وقت وہ پروفیسر صاحب محترم فاروق صاحب، صاحب صورت وسیرت شخص ہیں۔ یہ حضرت افغانیؒ کی صحبت کا اثر ہے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ مولانا محمد اکرم صاحب نامی عالم کا ہے۔ یہ ایک سرکاری درس گاہ میں عربی مدرس ہیں، درویش صفت عالم ہیں۔ یہ ایک سوال ذہن میں لے کر جامعہ اسلامیہ حضرت جیؒ کے درس بیضاوی میں پہنچے۔ حضرت جیؒ کے جلال کو دیکھ کر سوال کی جرات نہ ہوتی تھی۔ جب حضرت جیؒ نے اپنے مخصوص شفقت بھرے انداز میں ان مولوی صاحب کی طرف دیکھا بھی سہی اور سوال کیے بغیر جواب بھی فرمایا تو مولوی محمد اکرم صاحب کہتے ہیں کہ میرے آنسو نکل آئے۔ اب بھی یہ بات سنانے مولوی صاحب خوب روتے ہیں۔ (سوال) یہ تھا کہ فلسفہ ومنطق نے انسان کی تعریف کی ہے " الانسان حیوان ناطق " (کہ انسان بولنے والا حیوان ہے) حالانکہ بولنا ملائکۃ اللہ، جن

اور بعض پروقاروں سے بھی ثابت ہے ؟ ۔ حضرت جیؒ نے فرمایا انسان کی یہ تعریف غلط کی گئی ہے۔ انسان کی تعریف حضرت مولانا رومیؒ نے صحیح فرمائی ہے ، کہ " الانسان عاشق " (انسان عاشق ہے)۔

(۱۲) علم کا مقام عبادت سے بلند ہے :- (اگر عبادت کا مقام بلند ہوتا تو خلافت الٰہیہ ملائکہ کو ملتی) ملائکہ کو خلافت نہیں ملی ، حضرت آدم علیہ السلام کو ملی ۔ حالانکہ ملائکہ انتہائی عبادت گزار ہیں ذرا بھی نافرمانی نہیں کرتے : " لایعصون اللہ ما امرھم ویفعلون مایو مرون " (جو حکم کیا جائے اسے بجا لاتے ہیں) اور ملائکہ کی عمر بھی لمبی ہے کہ پیدائش سے قیامت تک زندہ رہیں گے ۔ ان کے مقابلے میں انسان اتنی عبادت نہیں کرسکتا ۔ انسان کی عمر کم ہے ، نیند میں عبادت نہیں ہوسکتی بیداری میں بھی دنیاوی کاموں میں مشغولیت کی وجہ سے عبادت نہیں ہوسکتی ۔ صرف علمی برتری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت عطا فرمائی ۔ تو علم کو عبادت پر فوقیت ہوئی (س) ایک موقعہ پر مجھ سے سوال ہوا کہ علم کو عبادت پر فوقیت کیوں ہوئی ؟ ج : میں نے کہا کہ عالم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور عبدیت یہ بندہ کی صفت ہے ۔ (حضرات اولیاء کرام بھی بہت بڑے عالم ہوا کرتے تھے)۔ حضرت داتا گنج بخشؒ بہت بڑے عالم تھے صرف عبادت گزار بزرگ نہ تھے ۔ حضرت محمد ابن ختلیؒ آپ کے استاد تھے ۔ جب داتا صاحب لاہور میں آئے تو سب سے پہلے مسجد بنوائی جو مزار کے قریب ہے ۔ تو لاہور سے دمشق اپنے استادؒ کے پاس چلے گئے ۔ ان کی وفات کے بعد دوبارہ لاہور تشریف لائے ۔ (لاہور کو پہلے لہاور کہتے تھے)۔

حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرے استاد محترمؒ کی وفات میری گود میں واقع ہوئی ہے ۔

حضرت داتا صاحب : چین ، روس اور ترکستان کے علاقوں میں علم حاصل کرنے کیلئے تشریف لے گئے ۔ یہ علاقے علم والے تھے ۔ آج ہماری بدبختی کی وجہ سے یہ علاقے ہم سے چھین گئے ۔ یہ علم سے تعلق اور عشق کی بات تھی کہ حضرت داتا صاحبؒ اپنے استادؒ کی زیارت کیلئے دمشق تشریف لے گئے اور گئے ہی پیدل ۔ حضرات ائمہ کرامؒ اور حضرات محدثین کرام کو بھی علم کی وجہ سے مقام نصیب ہوا ۔

حدیث : " فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر علیٰ سائر الکواکب "

ترجمہ :- عالم کو عابد پر ایسے فضیلت ہے جیسے چودھویں کے چاند کو باقی ستاروں پر ۔

عبادت میں ملائکہ بڑھکر تھے اور علم میں حضرت آدم علیہ السلام ۔ تو خلافت علم کی طرف گئی ۔

(بقیہ آئندہ شمارہ میں)

جناب عبدالرؤف صدیقی صاحب
(ایڈیٹر " ٹریڈکرانیکل " کراچی)

علم و عمل کی ایک جیتی جاگتی شخصیت مولانا منظور نعمانیؒ

چار اور پانچ مئی ۱۹۹۷ء شمسی کی درمیانی رات مسلمانوں کےلیے غم واندوہ کی دردناک تکلیف لے کر آئی تھی ۔ ہر کام کے لئے ہر چند کہ ایک وقت معیّن ہے اور یہ بات سب جانتے ہیں لیکن سب کچھ جانتے ہوئے بھی بعض امور وقت کے ہاتھوں اس طرح انجام پاتے ہیں کہ دل ودماغ سارے کلیے بھول کر ایک جان لیوا غم کے غار میں گرتے چلے جاتے ہیں ۔ چنانچہ ایسا ہی ایک سانحہ ۲۷ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ قمری کو ظہورپذیر ہوا ۔ جس نے مسلمانوں کو ہلاک کر رکھ دیا ۔ صدہا افراد ملت اس وقت دھاڑیں مار مار کر رونے لگے جب انہیں معلوم ہوا کہ عہد حاضر میں اسوہ محمدی کے عامل اور پابند عالم دین اور محدث وقت مولانا محمد منظور نعمانیؒ اللہ کو پیارے ہوگئے ۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے تو وہ زندگی بھر رہے ہوں گے ۔ باآلآخر انہوں نے اپنی جان جاں آفریں کو سونپ دی ۔

(انا للہ وانا الیہ راجعون)

ہماری عمومی بدقسمتی یہ ہے کہ ہم زندگی میں ایسی شخصیتوں کو نہ تو دریافت کرتے ہیں نہ ان کی قدر کرتے ہیں اور نہ ان سے علمی استفادہ کرتے ہیں ۔ البتہ ہم لوگ اس وقت جاگ پڑتے ہیں ، جب اس نعمت الہیٰ سے محروم ہوچکے ہوتے ہیں اور پھر بڑے اہتماموں کے ساتھ مرثیہ خوانی شروع کرکے اپنے آپ کو اس خوش فہمی میں مبتلا کرلیتے ہیں کہ ہم نے حق ادا کردیا ۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ روش ہماری دینی ، علمی ، سماجی ، سیاسی تمام سطحوں پر عام ہے ۔

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۴۲ھ قمری میں دینی تعلیم کی تکمیل کےلئے دارالعلوم دیوبند میں داخل کرائے گئے ۔ جو ہندوستان ہی نہیں بلکہ سارے عالم اسلام میں اس وقت علم تفسیر ، علم حدیث وفقہ کی تدریس کا عظیم مرکز تھا ۔ دارالعلوم میں انکی طالبعلمی کا دور ۱۳۴۳ھ تا ۱۳۴۵ھ رہا ۔ یہ زمانہ حضرت مولانا محمد انورشاہ صاحب کشمیری علیہ الرحمہ کی صدارت تدریس کا آخری دور تھا ۔ ۱۳۴۵ھ دارالعلوم سے فراغت کے بعد مولانا نے اپنے وطن مالوف سنبھل کے مدرسہ محمدیہ میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا ۔ اس زمانے میں آریا سماجی شدھی سنگھٹن (تحریک) اور

مرزا غلام احمد کی احمدی یا قادیانی تحریک کا زور تھا ۔ مولانا نے اس دشمن اسلام یلغار کے خلاف پوری شدومد سے حصہ لیا ۔ ۱۹۳۲ء میں آریا سماجیوں سے انہوں نے مناظرہ کیا ۔ ۱۹۳۵ء میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ہندوستان کو آزادی ملنے کے بعد مسلمانان ہند کا دینی مستقبل کیا ہوگا ؟ ۔ مولانا مودودی صاحب ان دنوں پٹھان کوٹ (مشرقی پنجاب) میں مقیم تھے اور وہیں سے اپنا ماہانہ رسالہ " ترجمان القرآن " شائع کرتے تھے ۔ اس ماہنامہ کے غیر معمولی مضامین اور مودودی کی سہل و سلیس انشاپردازی سے مولانا نعمانی صاحبؒ بہت ہی متاثر ہوئے اور پھر مودودی صاحب کی تحریک جماعت اسلامی سے وابستہ ہوکر پٹھان کوٹ چلے گئے ۔ لیکن کچھ مدت کے بعد ہی بعض بنیادی دینی اختلافات کی وجہ سے اس تحریک سے کنارہ کشی اختیار کرلی ۔ پھر " الفرقان " کا آخری دور دلّی والے حضرات مولانا الیاسؒ کی تبلیغی تحریک سے منسلک رہا جو فاتح میوات کہلاتے تھے ۔ تقسیم ہند کے بعد سب سے بڑا مسئلہ مسلمان بچوں کی دینی تعلیم کا تھا ۔ ہندوستان کے سرکاری اسکولوں میں ہندو دیومالائی کہانیوں سے مسلم طلباء اور طالبات کے دل ودماغ پراگندہ ہورہے تھے ۔ اس دین دشمن طوفان کا توڑ کرنے کےلئے مولاناؒ نے قاضی عدیل احمد عباسی ایڈوکیٹ کی تعلیمی اسکیم کی حمایت کی ۔ مسلمانوں کے مسائل اجاگر کرنے کیلئے " ندائے ملت " کا اجراء کیا اور مسلم مجلس مشاورت کا قیام ۱۹۶۴ء میں کرایا ۔ مولاناؒ ۱۹۶۰ء سے رابطہ عالم اسلامی کے رکن بن گئے اور اس کے تمام اجلاسوں میں شرکت کےلئے حرمین شریفین جاتے رہے اور اس طرح مولانا علیہ الرحمہ نے پندرہ حج کیے تھے ۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ سنبھلی اس عہد کی ان مغتنم شخصیات میں سے تھے ۔ جن کیلئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (جو برّ کوچک پاک وہند کے علمی ادبی حلقوں میں " علی میاں " کہلاتے ہیں) جیسے عالم باعمل اور صاحب طرز انشا پرداز نے فرمایا ہے کہ :-

" مولاناؒ ان راسخین فی العلم میں تھے جن کی مثال نہیں ملتی ۔ خصوصاً اس علمی انحطاط ، ذہنی انتشار تحریکوں کی کثرت ، مشغولیتوں کی فراوانی اور ان کا تنوع اتنا ہے کہ علم میں رسوخ حاصل کرنا بڑا مشکل ہوگیا ہے ۔ لیکن جو لوگ مولاناؒ سے اجمالی واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں اور اس کی تصدیق کریں گے کہ مولانا ہندوستان کے ان منتخب اور مختصر مگر ممتاز علماء میں شامل تھے جنہیں علوم اسلامیہ میں رسوخ حاصل تھا " ۔ حضرت علی میاں مدظلہ صاحب نے اسی ضمن میں فرمایا ہے کہ :-

" مولانا کو حدیث میں ، تفسیر میں ، کلام میں اور فرق محرفہ اور منحرفہ کے بارے میں جو وسیع معلومات تھیں ۔ ان سے جو غیر معمولی واقفیت اور ان کی کمزوریوں اور ان سے پیدا ہونے والے

خطرات کا جتنا صحیح اندازہ ان کو تھا، وہ ہندوستان کے مشاہیر علماء کو بھی حاصل نہیں تھا"۔ حضرت محترم علی میاں مدظلہ نے مولانا نعمانی صاحب مرحوم کی تعزیت کے ضمن میں یہ بھی فرمایا ہے کہ:۔

مولانا کی کتابیں جن لوگوں نے پڑھی ہیں، خاص طور پر ان کی کتاب "معارف الحدیث" کم از کم اردو لٹریچر میں بے نظیر کتاب ہے، اس میں جس طرح حدیث وسنت کو پیش کیا گیا ہے جس طرح اس سے سبق لینے اور احادیث کے مختلف پہلوؤں اور مخفی گوشوں کو ابھارا گیا ہے وہ بے مثال ہے۔ ان کی عام فہم کتاب "اسلام کیا ہے؟"، "آپ حج کیسے کریں؟"، "قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟"، "دین وشریعت" وغیرہ یہ وہ کتابیں ہیں جو ممتاز ہی نہیں بلکہ منفرد ہیں۔ اپنے مقصد، حسن تعبیر، حسن بیان اور حسن تفہیم اور ذہنوں کی رعایت کی بنا پر اسکو توفیق الٰہی سے تعبیر کر سکتے ہیں"۔ دینی تعلیمی کونسل کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر محمد اشتیاق قریشی صاحب کا کہنا ہے کہ:۔

"ان (مولانا علیہ الرحمہ) کی حیثیت اس تندور کی طرح تھی جس کی گرمی اور جس کی آنچ قریب آنے والا پوری طرح محسوس کرتا تھا۔ وہ جب خطبہ پڑھتے تو دل کی دھڑکنیں تیز ہوجاتی تھیں۔ وہ جب دعا کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ایک عاجز بندہ اپنے پروردگار سے تمام تر امیدوں کے ساتھ اس کے در کا سوالی ہے"۔ ڈاکٹر اشتیاق قریشی صاحب نے آگے چل کر بتایا ہے:۔

"وہ رقیق القلب تھے۔ کوئی مجلس اور کوئی گفتگو مشکل سے ایسی ہوتی جس میں آنسو نہ جھلک جاتے ہوں"۔ انہوں نے مزید کہا:۔ "اپنی طالب علمی کے دور سے زندگی کی آخری سانس تک وہ کبھی کسی کے اندھے مقلد نہیں رہے۔ جو بات حق سمجھتے برملا اس کا اظہار کیا۔ اس پر قائم رہے، خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنا پڑی"۔ مولانا مرحوم نے دیوبند میں چوٹی کے اساتذہ، مولانا انور شاہ کشمیری جیسے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ اس ضمن میں حضرت علی میاں صاحب کا ارشاد ہے کہ:۔

"مولانا (محمد منظور نعمانیؒ) اگرچہ دیوبند کے فاضل اور اس کی مجلس منتظمہ کے رکن تھے، لیکن اس کے ساتھ "ندوۃ العلماء" کی تحریک سے بھی اور ندوۃ العلماء کے ادارے سے بھی ان کا مخلصانہ تعلق رہا ہے۔ ندوہ میں یہاں کے ذمہ داروں کی درخواست پر بلکہ اصرار پر تدریس حدیث کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ ندوۃ العلماء کی انتظامیہ کے طویل عرصہ تک رکن رہے۔ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے بنیادی رکن تھے"۔

بیلگام (کرناٹک) کے قطب الدین ملا صاحب نے بتایا ہے کہ: "عقائد کی صحیح اور اعمال کے اہتمام کی طرف راغب کرنے کیلئے انہوں نے اپنے سلیس وسادہ زبان میں مگر بڑے ہی دل نشین انداز

میں ایک سو سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں "۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی ولادت ۱۹۰۵ء میں بمقام قصبہ سنبھل ضلع مرادآباد صوبہ یوپی میں ہوئی۔ آدمی کو مٹی کہاں سے کہاں لے جاتی ہے۔ چنانچہ ان کی وفات شہر لکھنو کے ایک " سحراسپتال میں ۲۷ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ مطابق ۵ مئی ۱۹۹۷ء بروز پیر رات آٹھ بجکر چوتیس منٹ (۸:۳۴) کو بعمر ۹۲ سال ہوئی۔ قمری سنوں کے حساب سے عمر ۹۵ سال ہوتی ہے۔ مولانا علیہ الرحمہ نے اپنی زندگی حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ کی پیروی کرتے ہوئے باطل عقائد سے جنگ کرتے ہوئے گزاری۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے۔

" الفرقان " کا اجراء:۔ حضرت مولانا محمدؒ منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ماہنامہ " الفرقان " ۱۳۵۳ھ یعنی ۱۹۳۴ء شمسی سال میں بریلی شہر سے جاری کیا۔ اس کا مقصد اشاعت شروع میں مسلمانوں کے اندر جو غلط توہمات اور غلط عقائد پیدا ہوگئے ہیں ان کو دور کیا جانا تھا جو گذشتہ ۶۵ سال سے نہایت سخت نامساعد حالات کے باوجود جاری ہے۔ مولانا کی پشت پر کوئی تاجر یا جاگیردار، زمیندار نہیں تھا۔ شروع شروع میں مولانا مرحوم بریلی میں اس کی کتابت کراکے دلی میں مولوی عبداللطیف خان صاحب کے چھاپہ خانے چھپوانے کےلئے جاتے تھے۔ اس کے بعد ان کے نائب مولانا عطاء الحق جو ایک ہمہ صفت آدمی ہیں اس کام کو انجام دینے لگے۔ " الفرقان " کی اشاعت کے پانچویں چھٹے سال " مشرقی " کا فتنہ شروع ہوا۔ جس کی رد میں " الفرقان " میں خصوصی مضامین شائع ہوئے۔ مولانا مرحوم نے اپنی بےسروسامانی کے باوجود ۱۹۳۵ء میں " مجدد الف ثانی نمبر " اور چار سال بعد ۱۳۵۹ھ میں " شاہ ولی اللہ نمبر " شائع کیے، جو ان دو عظیم ہستیوں کے حوالے سے دستاویزی حیثیت رکھتے تھے۔

مولاناؒ کی تصانیف:۔ مولاناؒ کی تصانیف کی تعداد ایک سو بیان کی گئی ہے۔ ان میں شہرہ آفاق کتب کی مختصر تفصیل اس طور پر ہے:۔

+ قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟ + اسلام کیا ہے؟ + دین وشریعت + معارف الحدیث (۷ جلدیں) + تصوف کیا ہے؟ + تذکرہ مجدد الف ثانیؒ + ملفوظات حضرت مولانا الیاسؒ + شیخ محمد عبدالوہاب کے خلاف پراپیگنڈا + آپ کیسے حج کریں؟ + نماز کی حقیقت + کلمہ طیبہ کی حقیقت + عقیدہ علم غیب + شاہ اسماعیل شہید اور معاندین اہل بدعت کے الزامات مسئلہ حیاۃ النبیؐ کی حقیقت + ایرانی انقلاب + آپ کون ہیں، کیا ہیں، اور آپکی منزل کیا ہے؟

+ مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت + کفر و اسلام کی حدود اور قادیانیت + تحدیث نعمت ۔ مولاناؒ کی کتابوں کے ترجمے دنیا کی کئی زبانوں میں کیے گئے ہیں ۔ وہ رابطہ عالم سلامی کے بانی رکن ۱۹۶۲ء سے تھے ۔ انہوں نے رابطے کے کئی اجلاسوں میں حضرت مولانا یدابوالحسن علی ندوی صاحب کے ساتھ شرکت کی ۔ علی میاں صاحب رابطہ عالم اسلامی کے بانی رکن تھے ۔ یہ دونوں حضرات ہندوستان کے نمائندہ وفد کے طور پر رابطہ کے اجلاسوں میں شریک ہوئے ۔ یہ دونوں حضرات " بورڈ آف دینی تعلیمی کونسل " کی مجلس مشاورت کے بانی ارکان میں تھے ۔ مولانا مرحوم " دارالعلوم دیوبند " کی مشاورتی کونسل کے سب سے سینئر رکن تھے ۔ مولاناؒ کے پسماندگان میں چار صاحبزادگان اور دو صاحبزادیاں ہیں ۔ سب سے بڑے صاحبزادے مولانا عتیق الرحمان سنبھلی نعمانی ، برطانیہ میں مقیم ہیں اور وہاں گذشتہ بیس برس سے اہم خدمات دینی و علمی سے عہدہ برآ ہورہے ہیں ۔ دوسرے صاحبزادے حفیظ الرحمان نعمانی صاحب روزنامہ " ان دنوں " کے مشیراعلیٰ ہیں ۔ تیسرے صاحبزادے حسان نعمانی صاحب ماہنامہ " الفرقان " لکھنو (ہند) سے منسلک ہیں اور چوتھے صاحبزادے مولانا سجاد نعمانی " الفرقان " کے مدیر اور رحمان فاؤنڈیشن کے بانی چیئرمین و شوایکتاسندیش کے ڈائریکٹر ، آل انڈیا ملی کونسل کی مجلس عاملہ کے رکن اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے بھی رکن ہیں ۔ حضرت مولانا منظور نعمانیؒ نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے خیر سگالی کے جذبے کے فروغ کیلئے بڑی جدوجہد کی تاکہ ہندوستان میں ہندو مسلم ہم آہنگی قائم ہوسکے ۔ مولانا مرحوم ومغفور کی وصیت کے مطابق حافظ محمد اقبال صاحب نے غسل دیا ۔ جو گونڈہ سے رات دو بجے لکھنو پہنچ گئے تھے ۔ ۶ مئی بروز منگل صبح سات (۷) بجے میّت کا غسل شروع ہوا تھا ۔ ساڑھے آٹھ بجے جنازہ گھر سے روانہ ہوا ۔ جنازہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں پہنچا تو اس وقت صبح کے سوا نو بج رہے تھے ۔ ندوہ کے وسیع میدان میں نماز جنازہ مولانا قاری صدیق صاحب نے پڑھائی ۔ چارباغ (ندوہ) پرانا لکھنو ، امین آباد (وغیرہ) کی ہر سڑک پر سرہی سر نظر آرہے تھے ۔ جنازے کے شرکاء کی کثرت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ (بقول روزنامہ " صحافت " لکھنو) جنازہ جب ڈالی گنج پل کے آخری سرے پر تھا تو شرکاء کی آخری قطاریں ندوۃ العلماء کے پھاٹک تک تھیں ۔ عیش باغ لکھنو میں تدفین ہوئی ، اس وقت دن کے گیارہ بجکر بیس منٹ ہوئے تھے ۔

میرے ذاتی تاثرات :- حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا قیام بریلی کے " گھیر عبدالقیوم " کے مکان میں تھا ۔ میری اوائل عمری تھی ۔ گھیر عبدالقیوم صاحب مرحوم میں قریب قریب ہم ایک

ہی خاندان کے افراد رہتے تھے ۔ وقت گزرتے کیا دیر لگتی ہے ۔ میں بھی بڑا ہوتا گیا ۔ مولاناؒ سے قلبی تعلق دوسری جنگ عظیم کے آخری دنوں ۱۹۴۱ء میں ہوا تھا ۔ میری نشست گاہ حضرت مولاناؒ کے دفتر (ماہنامہ " الفرقان ") سے متصل تھی ۔ میں ایسے اخبارات کا مطالعہ باقاعدہ کیا کرتا تھا جو اس زمانے میں سیاسی عالم کے ممتاز اخبارات تھے ۔ ان میں " مدینہ " (بجنور یو. پی) مولانا عثمان فارقلیط کی ادارت میں شائع ہونے والا روزنامہ " الجمعیت " (دلی) اور روزنامہ " زمزم " (لاہور) میرے مطالعہ میں رہتے تھے ۔ صحافت کا چسکہ مجھے اسی دور سے لگا ۔ مولانا مرحوم کے ساتھ ایک دومرتبہ تبلیغی جماعت کے اجتماع میں حاضری کا موقع بھی مجھے ملا ۔ میرے محلے میں جو مسجد تھی ، مولانا نعمانیؒ اس میں اعزازی خطیب تھے ۔ مولاناؒ کا انداز بیان نہایت سلیس ، سلجھا ہوا ، عام فہم اور دل پر براہ راست اثر کرتا تھا ۔ میرے خاندان کے تمام جوان ، بزرگ حضرات اگرچہ مولاناؒ کے عالم باعمل ہونے کی صفات عالیہ اور حسن کردار سے متاثر تھے اتنا ہی ان کا احترام بھی کرتے تھے ، لیکن ان کی پیروی کبھی پوری طرح نہیں کی ۔ بس مجھے آج بھی تکلیف دہ احساس ہوتا ہے ۔ حضرت مولانا صاحب فجر کی نماز کے بعد ہواخوری کیلئے روزانہ تشریف لے جاتے تھے ۔ یہ ان کا معمول تھا ۔ ماہنامہ " الفرقان " جس کا اجراء انہوں نے بریلی سے کیا تھا ، قیام پاکستان سے چند سال پہلے مولاناؒ بریلی لکھنو منتقل ہوگئے تو " الفرقان " کا دفتر بھی لکھنو منتقل ہوگیا تھا ۔ پاکستان آجانے کے بعد میں دو یا تین مرتبہ حضرت نعمانی صاحبؒ کی قدمبوسی کے لیے لکھنو گیا ۔ وہ کتنے شفیق اور مجھ سے کس قدر محبت فرماتے تھے اسے بیان کرنے کیلئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں ۔ میں جب لکھنو جاتا تو قیام مولاناؒ کے دولتکدہ پر کرتا تھا ۔ مولاناؒ چونکہ کہیں گر گئے تھے جس سے ان کی کولھے کی ہڈی اتنی متاثر ہوگئی تھی کہ وہ چل پھر نہیں سکتے تھے ۔ لیکن دوران قیام میں مجھے ناشتہ اور رات کا کھانا اپنے سامنے کھلاتے تھے اور مجھ سے نام بنام میرے خاندان کے ایک ایک فرد کی خیر وعافیت دریافت فرماتے تھے ۔

قیام پاکستان کے بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ جنرل ضیاء الحق مرحوم کے زمانے میں مؤتمر کے اجلاس میں شرکت کے لئے مولانا علی میاں صاحب کے ہمراہ پاکستان آئے تھے اور ان سے میری ملاقات ہوئی تھی ۔ اس سے آٹھ دس سال پہلے حج کے موقع پر منیٰ میں ان سے اس وقت ملاقات ہوئی جب مولانا علیہ الرحمہ شیطان کو کنکریاں مارکر آرہے تھے اور میں کنکریاں مارنے جارہا تھا ۔ اس موقع پر ان سے تفصیلاً ملاقات ہوئی ۔ مولانا نعمانی صاحب مرحوم ومغفور کا دامن طعن وتشنیع ، طنز ومزاح اور عیب جوئی سے پاک رہا ۔ ملی فروعی مسائل پر انہوں نے اپنے دامن کو کبھی آلودہ نہیں ہونے دیا ۔

تقسیم ہند کا مسئلہ :- ہندوستان کی تقسیم کے مسئلے پر ہندوستان کے علماء دین دو بلاکوں میں تقسیم ہوگئے تھے ۔ ہمارا گھرانہ مسلم لیگی تھا ۔ لیکن مولاناؒ نے کبھی مسلم لیگ کو اپنی مخالفت کا نشانہ نہیں بنایا ۔ اگرچہ وہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان کے بٹوارے سے پورے ہندوستان کے مسلمانوں کے مسائل حل نہیں ہوں گے ۔ انہیں اس بات کا شدید صدمہ تھا کہ چند گمراہ جوشیلے نوجوان اپنے ہی علماء دین کے ساتھ جو ناشائستہ برتاؤ کررہے ہیں ، وہ شعائر اسلام کے بالکل خلاف ہے ۔ ہندوستان کی تقسیم سے یہاں کے مسلم باشندے جو کروڑوں کی تعداد میں ہیں ان کے مصائب وآرام ختم نہیں ہوسکیں گے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ شعائر اسلامی کی خلاف ورزی جن گمراہ نوجوانوں سے سرزد ہوئی اس کا کفارہ آج ہم سب لوگ ادا کررہے ہیں ۔ ہم میں رواداری قطعی مفقود ہوچکی ہے ۔ کبھی جاگیرداریوں کے نام پر ، کبھی صوبائیت کے نام پر ، کبھی زبان کے نام پر ، کبھی فرقہ واریت کے نام پر ، کبھی چھوٹی چھوٹی برادریوں اور قبیلوں کے نام پر یہاں خواہ مخواہ ، بے بات کے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی جان لے رہا ہے ۔ مسلمانوں کو کھلے عام لوٹ رہا ہے ۔ مسلمان ، مسلمانوں کے ہاں ڈاکے ڈال رہے ہیں ۔ آپس میں ایک دوسرے کی املاک تباہ کررہے ہیں ۔ خواتین کی آبروریزیاں کررہے ہیں ۔ مساجد کے تقدس کو پامال کررہے ہیں اور اس حقیقت سے قطعی بے خبر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم کو ناجائز قتل کرنا یا اسے بے حرمت کرنا یا اس کی املاک کو نقصان پہنچانا ایک ناقابل معافی گناہ ہے ۔ میں ایک عاجز دیندار آدمی ہوں ۔ لیکن دین حنیف کی تھوڑی بہت رمق جو یہ خاکسار اپنے وجود خاکی میں پاتا ہے ۔ یہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت اور ان کی خصوصی توجہ کا اثر ہے اور ان کا وہ احسان ہے جس کی جزاء رب کریم ورحیم ہی انھیں عطا فرماسکتا ہے ۔

" اللھم اغفرله وارحمه و عافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطايا كما ينقي الثوب الابيض من الدنس وادخله يا رب جنتك مع النبين والصديقين والشهداء و الصالحين وحسن اوليك رفيقا ۔ امين يا رب العلمين ۔ بحرمت سيدالمرسلين "

ڈاکٹر از کیا ہاشمی صاحب
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات،
گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، مانسہرہ

برصغیر پاک وہند میں مسلم قومیت کے احیاء میں وحدت الشہود کا کردار

برصغیر پاک وہند کی مسلم سیاسی، سماجی، دینی وثقافتی زندگی پر جن دونظریات کے گہرے اور دور رس اثرات مرتب ہوئے نیز اسلامی فکر اور تصوف کے حوالے سے جن دونظریات کو خصوصی اہمیت اور شہرت حاصل ہوئی ہے، وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے نظریات ہیں۔ اول الذکر نظریہ جس کا تصور قدیم صوفیاء مثلاً مصریؒ، جنید بغدادیؒ، سری سقطیؒ، معروف کرخیؒ اور بایزید بسطامیؒ وغیرہ کے ہاں پایا جاتا ہے اور جسے باقاعدہ اور منظم صورت میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ (۶۳۸ھ / ۱۲۴۰ء) نے اپنی تصانیف میں پیش کیا ہے، ابتداء میں محض ایک متصوفانہ نظریہ تھا جس سے ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات کے تعلق کی وضاحت ہوتی تھی اور اس نظریہ کے تمام تر مباحث صرف صوفیانہ حلقوں اور خانقاہوں تک محدود رہتے تھے، مگر بعد میں اس نے ہمہ گیر مقبولیت حاصل کر کے ایک باقاعدہ فلسفہ کی شکل اختیار کرلی، اور اس کے ردوقبول پر معتدبہ لٹریچر وجود میں آیا (مثلاً البقاعی (۸۵۸ھ) کے رسائل " تنبیہ الغبی علیٰ تکفیر ابن عربی " اور " تحذیر العباد من اھل العناد ببدعۃ الاتحاد "۔ ملا علی القاریؒ (م ۱۰۱۴ھ) کی " ردالفصوص " سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی " تنزیہ الاعتقاد عن الحلول والاتحاد " (۱) نیز شیخ عبدالکریم جیلی کی تصنیف " الانسان الکامل " کافی شہرت رکھتی ہے۔ (۲)

یہ فلسفہ مختلف سلاسل تصوف بالخصوص شطاری، قادری اور نقشبندی سلاسل کے ذریعے ہندوستان پہنچا اور یہاں کے مقامی مزاج سے جو کسی قدر اس کا ہم خیال تھا ہم آہنگ ہوگیا اور بہت جلد یہاں کی سیاسی، سماجی اور اخلاقی زندگی کے تمام شعبوں پر اس کے اثرات پڑنا شروع ہوئے۔ اس نظریہ نے جہاں رواداری، انسان دوستی اور روشن خیالی کو جنم دیا وہاں ہندو مسلم ترکیبی ثقافت

کے فروغ میں بھی نمایاں کردار اداکیا ۔ برصغیر کے مخصوص ماحول میں ویدانت اور تصوف ، ہندومت اور اسلام کے درمیان ترکیب وامتزاج سے متعلق مختلف علمی ، فکری اور احیائی تحریکوں کے پس منظر میں جھانک کر دیکھا جائے تو اس فلسفہ کے واضح نقوش نمایاں نظر آئیں گے ۔ مختلف ہندو مصلحین ، رامانج ، رامانند ، بھگت کبیر ، گرونانک ، اور انتہاپسند وجودی نقطۂ نظر کے حامل صوفی دارا شکوہ اسی فکر وفلسفہ کا پرچار کرتے ہوئے اسلام اور ہندومت کے درمیان مفاہمت کی وجوہ تلاش کرتے نظر آتے ہیں ۔ اگرچہ ان کے بنیادی افکار میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے ، تاہم بہت حد تک ان کے ہاں فکری مماثلت بھی پائی جاتی ہے جس کے زیر اثر وہ مذاہب کے رسوم وظواہر کو مسترد کرتے ہوئے باطنی پاکیزگی اور محبت کو اصل مذہب قرار دیتے ہیں ، ان کے نزدیک مذہب کی ظاہری صورتوں کے برعکس اس کی روحانی قدروں کی زیادہ اہمیت ہے ۔ اسی لئے وہ ہندومذہب اور اسلام کو ایک ہی صداقت کے جداگانہ مظاہر بتلاتے ہیں ۔ پندرہویں اور سولہویں صدی صدی عیسوی میں ان افکار کو کافی فروغ حاصل ہوا اور صورتحال اس حد تک پہنچ گئی کہ انتہا پسندانہ صوفیانہ حلقوں میں مومن وکافر کا امتیاز مٹنے لگا ، ویدوں کو الہامی کتب کا درجہ حاصل ہوا ، مذہب کی ظاہری رسوم نظرانداز ہونے لگیں اور شریعت وطریقت کی راستے جداہونے لگے ، اور ایک مسلم سکالر کے الفاظ میں اس نظریہ نے یہ خطرناک صورت اختیار کرلی کہ :

" ہر چیز خدا ہے ، مذہب کی ظاہری حیثیت یعنی دیروحرم کی تفریق کا خاتمہ ، مندر اور مسجد کا فرق جاتا رہا ، سماجی زندگی میں اتنی بے اعتدالی پیدا ہوئی کہ یہ کہا جانے لگا کہ انسان بھی خدا ہے تو پھر یہ مضحکہ خیز بات ہے کہ خدا خدا کی عبادت کرے ، ایسی صورت میں کوئی گناہ گناہ نہیں رہتا ، کیوں کہ گناہ کا مرتکب خود خدا ہے ، جب خدا ہی مرتکب ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ خدا خود اپنی ذات کو سزا دے ، اس نظریہ نے حرم اور میکدہ کا فرق ختم کردیا ، عوام اپنے نفس اور خدا دونوں کو بیک وقت خوش رکھنے کی کوشش کرتے " (۳)

بعض مغربی مفکرین بھی وحدت الوجودی نظریات کی (غلط تعبیرات کی) اشاعت کو اسلامی دنیامیں بہت سی برائیوں کے فروغ کا سبب قرار دیتے ہیں ۔ (۴)

اسی فلسفہ سے فائدہ اٹھا کر جہاں ہندوؤں نے اپنے مذہب کو تقویت دینے اور مسلم قومیت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی وہاں مختلف سیاسی قوتوں نے بھی اسے اپنے اقتدار اور سلطنت کے استحکام کیلئے اپنی حکمت عملی کی اساس بنایا ۔ مغل حکمران اکبر کی صلح کل پالیسی اور اس کا وضع کردہ

" دین الہیٰ " درحقیقت آزاد خیال صوفیاء اور بھگتی تحریک کے پھیلائے ہوئے افکار سے اخذ شدہ تھا جس کا بنیادی مقصد " متحدہ قومیت " اور " وحدۃ ادیان " کے تصور کی عملی تشکیل تھا جس نے اسلامی تہذیب اور مسلم قومیت کے زوال کو دوچند کردیا۔ کے ایم پانیکر نے اس کی پالیسیوں اور خودساختہ دین کے پس پردہ جن مقاصد کی نشاندہی کی ہے وہ تین ہیں۔ (۱). قومی حکومت کا قیام (۲). ہندوؤں سے مفاہمت (۳). متحدہ ہندوستان۔ (۵) ان ہی مقاصد کے حصول کیلئے اس نے متعدد غیر اسلامی اقدامات کئے، مثلاً ہندو عورتوں سے نکاح، ہندوؤں اور سکھوں کی مملکت کے اہم عہدوں پر تقرری، جزیہ کی بندش، ہندوانہ رسوم کی حمایت وغیرہ۔ ہندوؤں نے باقاعدہ سوچی سمجھی سازش کے تحت حرم اور دربار میں اکبر کا قرب حاصل کیا اور اسکے مذہبی اور عمرانی نظریات پر اثر انداز ہونے لگے اور اس کو آلہ کار بناکر متحدہ ہندوستانی قومیت، ہندواحیائیت اور مسلمانوں کے ملی تشخص کے خاتمہ کیلئے جدوجہد شروع کردی۔ غیرجانبدرانہ ماخذ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اکبر کے دور حکومت میں ہندوؤں کے اثر ورسوخ میں بڑا اضافہ ہوا، اس کے مشیران خاص بھگوان داس اور مان سنگھ کی امور سلطنت میں براہ راست مداخلت اور مملکت کی پالیسیوں پر اثرانداز ہونے کا نتیجہ مسلمانوں کے ضعف کی شکل میں ظاہر ہوا، اس کے دور میں علماء ومشائخ کا وقار کم کرنے کیلئے انہیں دوردراز کے علاقوں میں منتشر کیا گیا، بعض کو قلعوں میں نظربند کیا گیا، بعض پر گوناگوں اخلاقی الزامات عائد کئے گئے، بعض کو ملک بدر کردیا گیا۔ (۶) ہندوؤں پر عائد شدہ جزیہ کی رقم معاف کردی گئی جس سے یہ تاثر دیا گیا کہ مسلمان اور ہندو علیحدہ علیحدہ اقوام نہیں ایک ہی خطہ میں رہنے والی ایک قوم ہے، ان میں سے نہ کوئی فاتح ہے نہ مفتوح "BAMBE GASCOIGNS" اپنی تصنیف "THE GREAT MUGHULS" میں اس کے پس پردہ اسی حکمت کا ذکر کرتا ہے (۷)

بعض مورخین اکبر کے اس طرز عمل کو مذہبی رواداری سے تعبیر کرتے ہیں مگر یہ عجیب رواداری تھی، جس کے تحت ہندودھرم کو تقویت حاصل ہوئی اور اسلام کو شدید ضعف پہنچا۔ خود ہندومورخین کے نزدیک اکبر پر ہندوؤں کو اس قدر تسلط ہوچکا تھا کہ اس کی تمام عادات و اطوار ہندوانہ ہوچکی تھیں وہ دیوالی کا تہوار عقیدت سے مناتا، ہندوؤں کے طرز کے بال رکھتا تھا، لباس میں ہندوراجپوتوں کا سا انداز اختیار کرتا اور تلک لگاتا تھا۔ (۷) اسی طرح ایک ہندو مصنف " سری رام شرما " اپنی مشہور تصنیف "THE RELIGIOUS POLICY OF THE EMPEREOR

میں اکبر کی نام نہاد اسلامی حکومت کے متعدد ایسے اقدامات کا ذکر کرتا ہے جو نہ صرف خلاف اسلام ہیں بلکہ وہ برصغیر سے اسلام کی برتری کے خاتمہ اور ہندو دھرم کے غلبہ کیلئے سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہیں۔ (۸) یہی ہندو مورخ ۱۵۶۴ء کو ہندوستان کی تاریخ کا اہم موڑ قرار دیتا ہے کیونکہ اسی سال اکبر نے جزیہ ختم کر دیا تھا، وہ اس کی خاتمہ کی وجہ سے بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

" It Proclaimed the Superiority of Islam over Hinduism" . (۹)

(اس لئے کہ جزیہ کو ہندوازم پر اسلام کی برتری قرار دیا گیا تھا)۔

"M.P..SRIVASTAVA" کے نزدیک بھی "نفرت انگیز" جزیہ کا خاتمہ اکبر کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ (۱۰) ان اقدامات کے نتیجہ میں نہ صرف ان میں مفتوح قوم ہونے کا احساس ختم ہوا بلکہ وہ ہندو حکومت کے قیام کا خواب دیکھنے لگے، مان سنگھ، بھگوان داس، رائے سنگھ وغیرہ کے اقتدار میں آنے سے ہندوؤں کے اثر ورسوخ میں اضافہ ہوا، دھڑا دھڑ مندر تعمیر ہونے لگے اور جگہ جگہ مسجدیں منہدم ہونے لگیں۔ (۱۱) اسلامی تشخص کے خاتمہ کیلئے بنیادی عقائد اور دینی شعائر کا مذاق اڑایا جانے گا۔ (۱۲) مگر ہندو مذہب کی ترویج واشاعت کیلئے حکومتی سطح پر دارالترجمہ قائم کیا گیا جس میں ہندو مذہبی کتب مہا بھارت، رامائن اور اتھروید کے ترجمے کرائے گئے (۱۳) بہت سے سلمانوں کے نام تبدیل کئے گئے (۱۴) پیغمبرؐ اسلام کی شان میں سرعام گستاخیاں ہونے لگیں۔ ۵۱)

مشہور مورخ بدایونی نے "منتخب التواریخ" میں اکبری دور کی بے اعتدالیوں کی طویل فہرست درج کی ہے جس سے اکبر کے مذہبی میلانات اور بالخصوص اس کے ہندوانہ اطوار وافعال پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ (تفصیلی مطالعہ کیلئے یہ کتاب اہم ماخذ شمار ہوتی ہے) اگرچہ بعض حلقے اس کے بہت سے مندرجات کو مبالغہ آرائی پر محمول کرتے ہیں اور اس کی صحت اور استناد میں شبہ کا اظہار کرتے ہیں (۱۶)۔ حالانکہ اس کے بیان کردہ حقائق کی معاصر وقریب المعاصر تاریخی کتابوں سے تائید ہوتی ہے۔ ابوالفضل کی مشہور تصنیف "آئین اکبری" (۱۷)۔ عہد اکبری کے مورخ نظام الدین احمد بخشی کی "طبقات اکبری" (۱۸) عہد جہانگیری کے مورخ محمد قاسم ہندوشاہ استرآبادی کی "تاریخ فرشتہ" (۱۹)، اسی عہد کے صوفی بزرگ شیخ آدم بنوری کی کتاب "خلاصۃ المعارف فی اسرار العقائد" (۲۰)۔ معتمد خان کی "جہانگیر نامہ" (۲۱) عہد شاہجہانی کی تصنیف "دبستان مذاہب" (۲۲) اسی دور کے ایک اطالوی سیاح "نکولس مینو کی" (۲۳) اور عہد عالمگیری کے مورخ محمد ہاشم خافی خان کی "تاریخ منتخب اللباب" (۲۴) سے بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر ان بیانات کی تصدیق ہوتی ہے جو "منتخب التواریخ" میں مندرج ہیں۔ اکبر کے معتمد خاص ابوالفضل نے "آئین اکبری" میں اکبر کے مذہبی رجحانات اور اس کے جاری کردہ ملکی فرامین کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ مثلاً آفتاب پرستی"

آگ کی تعظیم، مسئلہ تناسخ پر اعتقاد، نکاح بالغان کی ممانعت، ایک سے زائد شادیوں پر پابندی قریبی رشتہ داروں میں نکاح کی مخالفت، بارہ سال سے کم عمر کے لڑکوں کی ختنہ پر پابندی، سن ہجری کی منسوخی، ذبح گاؤ پر پابندی اور ترک لحمیات وغیرہ (۲۵)۔

مورخین کے خیال میں اس موضوع پر یہ مجموعہ مستند ترین معلومات فراہم کرتا ہے۔ تاریخی تجزیہ سے یہ امر محقق ہوچکا ہے کہ اسلام اور مسلم قومیت کو جن دو تحریکوں نے برصغیر میں ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ وہ "بھگتی تحریک" اور "دین الہیٰ" کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ دونوں تحریکیں وجودی فلسفہ اور افکار سے متاثر تھیں۔ اول الذکر نے انسان دوستی اور مذہبی رواداری کے لبادے میں تمام تر تقویت ہندومذہب کو پہنچائی جس سے ہندوؤں کے قبول اسلام کی رفتار میں کمی واقع ہوئی اور ہندو مسلم ترکیبی ثقافت کو فروغ دے کر مسلم تشخص کو نقصان پہنچایا۔ جبکہ ثانی الذکر نے متحدہ ہندوستانی قومیت کے پس پردہ ہندو دھرم کے احیاء کیلئے فضاہموار کی اور مسلم قومیت کو ختم کرنے کی سازش کی۔ ان حالات میں جس شخصیت نے احیاء اسلام، تجدید دین اور متحدہ نظریہ کے خلاف مسلمانوں کے ملی تشخص کو برقرار رکھنے اور اسے غیر مسلم معاشرے میں جذب ہونے سے بچانے کیلئے گراں قدر خدمات سرانجام دیں، شیخ احمد فاروقی سرہندی ہیں جو مجدالف ثانی کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کا حقیقی فکری کارنامہ تصور وحدت الوجود کے بالمقابل وحدت الشہود کا تصور پیش کرنا ہے۔ جدید نقطہ نظر کے مطابق آپ کے فکری نظام کی اساس اسی تصور پر قائم ہے اور ان کے دیگر افکار وتصورات اس سے منطقی طور پر استخراج کیے جاسکتے ہیں۔ ترقی پسند نقطہ نظر کے حامل بعض معاصر فضلاء نے حضرت مجدد کی جملہ مساعی کو آپ کی اسی فکر کا مظہر قرار دیتے ہوئے آپ کی فکر وفلسفہ کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور وحدت الوجودی افکار سے اخذ شدہ رجحانات مثلاً بین المذاہبی رویے، انسان دوستی اور ہندو مسلم ترکیبی ثقافت کا دفاع کرتے ہوئے وحدت الشہود کے فلسفے کو فرقہ پرستی اور تحلیلی رجحان پر محمول کیا ہے۔ (۲۶) پیش کردہ مقالہ ہذا کا بنیادی مقصد اس رجحان کا تاریخی حقائق کی روشنی میں تجزیہ کرکے یہ ثابت کرنا ہے کہ حضرت مجدد کا یہ فکری رویہ کس حد تک معقول اور اس دور کے معروضی حالات کے مطابق تھا۔ اس موضوع پر اظہار خیال کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اولاً اس سوال کی مختصراً وضاحت کردی جائے کہ وحدت الشہود کی حقیقت کیا ہے؟ بنیادی طور پر وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے فلسفے خالق اور مخلوق کے باہمی تعلق کی وضاحت کرتے ہیں جو باطنی مشاہدے پر مبنی ہیں، حضرت مجدد اول الذکر کو باطنی مشاہدے کی ابتدائی منزل قرار دیتے ہیں جس پر پہنچ کر سالک پر خود فراموشی کی ایسی

کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور وہ ذات باری میں اتنا محو ہوجاتا ہے کہ غیر خدا کا احساس تک نہیں رہتا وحدت الوجود حقیقت نہیں محض ایک احساس ہے ، ایک کیفیت ہے (۲۷)۔ ان کے نزدیک وحدت الوجود کا تجربہ (جس میں سالک اپنے آپ کو ذات باری سے متحد خیال کرتا ہے اور غیر کو معدوم سمجھنے لگتا ہے) حقیقت کے بجائے التباس ہے۔ حقیقت کا مشاہدہ نہیں ، اس کا تجربہ سکر کی حالت میں ہوتا ہے ، اس لئے قابل اعتماد نہیں ، حقیقی تجربہ کثرت، دوری اور عبدیت کا ہے جو شعور اور ہوشیاری کی کیفیت میں ہوتا ہے۔ (۲۸) جس میں خدا اور فرد کے درمیان خالق و مخلوق کا رشتہ باقی رہ جاتا ہے۔ (۲۹) اور سالک محسوس کرتا ہے کہ اس کا وجود خدا سے مختلف ہے ، اس کے تابع ہے مگر اس سے جدا ہے ، یہی مقام عبودیت ہے جو روحانی ارتقاء کی اعلیٰ منزل ہے جسے وہ وحدت الشہود سے تعبیر کرتے ہیں (۳۰)۔

برصغیر میں آزاد خیالی کی اساس جس فلسفے نے فراہم کی وہ وحدت الوجود تھا جس نے اسلام اور مسلم قومیت کو سخت نقصان پہنچایا تھا ، حضرت مجدد اپنی خداداد بصیرت کے پیش نظر آزاد خیالی کے اس حقیقی منبع کو تلاش کرنے اور اس پر بھرپور حملہ کرنے میں کامیاب ہوگئے اور وحدت الشہود کے ذریعہ اس فلسفہ پر کاری ضرب لگاکر آزاد خیالی کو اس کی بنیادوں سے محروم کردیا جس کے نتیجہ میں احیاء اسلام کو تقویت حاصل ہوئی اور مسلم قومیت کا تصور اجاگر کرنے میں مدد ملی۔ راقم کو وحدت الوجود کی افادیت سے انکار نہیں ، متقدمین صوفیاء نے بالخصوص برصغیر میں وحدت الوجود کی تعبیر خاص مصلحت کے تحت اختیار کی تھی۔ یہ فلسفہ بہت سے ہندو جوگیوں اور دیدانت پر اعتقاد رکھنے والوں کے اسلام لانے کا محرک بنا کیونکہ ان کا دیدانتی فلسفہ کس حد تک وحدت الوجود کا ہم خیال تھا اس طرح یہ فکری اشتراک اور ذہنی یگانگت غیر مسلم اقوام کو اسلام کی طرف مائل کرنے کا ذریعہ بنی۔ اس فلسفہ نے یہاں کے مخصوص ماحول میں اگرچہ روشن خیالی، رواداری اور انسان دوستی کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا تاہم جلد ہی اس کے منفی اثرات ظاہر ہونا شروع ہوئے مثلاً ہندومت اور اسلام ، دیدانت اور تصوف کے درمیان ترکیب وامتزاج کا عمل ، اکبر کا وضع کردہ دین الٰہی متحدہ قومیت کا نظریہ اور صلح کل پالیسی ، ان سب کی بنیاد اسی فلسفہ کی غلط تعبیرات رکھی گئی ، اس سے اسلامی فکر وتہذیب کو جو شدید نقصان پہنچا اس کی وضاحت ہم مقالے کے ابتدائی حصے میں کرچکے ہیں۔ حضرت مجدد کا پیش کردہ فلسفہ وحدت الوجود کے منفی اثرات کا ازالہ کی کوشش کی ہے جس میں آپ نے خالق ومخلوق کے تعلق کی صحیح وضاحت کرتے ہوئے وحدت الوجود کی ان تعبیرات کی پرزور مخالفت کی جن سے اتحاد وحلول کا شائبہ ہوتا ہے (۳۱)

انہوں نے واضح کیا کہ " دنیا اور خدا میں وہی رشتہ ہے جو خالق و مخلوق میں ہوتا ہے ، اتحاد و حلول کی تمام تقریریں الحاد ہیں جو سالک کی باطنی غلط فہمی سے پیدا ہوتی ہیں " ۔ (۳۲)

آپ نے اس موقف کی سختی سے تردید کی کہ " رام " اور " رحمان " ایک ہستی ہیں ۔ اس سلسلے کی کوششیں دراصل وحدت الوجود اور ویدانتی فلسفہ کے امتزال اور بھگتی تحریک کے زیر اثر کی جارہی تھیں ۔ آپ نے دوٹوک الفاظ میں واضح کیا کہ " رام اور رحمان کو ایک ہستی قرار دینا کسی طرح ٹھیک نہیں ، خالق ، مخلوق کے ساتھ ایک نہیں ہوتا " ۔ (۳۳) وہ مسلمانوں کو غیر مسلموں میں جذب کرنے کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کے ساتھ ساتھ ان رسوم ورواج کو ترک کرنے کی ہدایت کرتے ہیں جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں مشابہت پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں ۔ مثلاً ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :

" بیماری اور مصیبتوں میں شیطانوں اور بتوں سے مدد طلب کرنا عین شرک اور گمراہی ہے ، مسلمان عورتوں کی کمال جہالت کے باعث مشرکوں کی شرکیہ رسومات میں شرکت اور ہنود کے معظم دنوں کی تعظیم اور ان کی متعارف رسومات کا ادا کرنا مستلزم شرک اور موجب کفر ہے جیسے دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان اور خصوصاً ان کی عورتیں کفار کی رسوم ادا کرتی ہیں اور انہیں اپنی عید کی طرح مناتی ہیں ، یہ سب کچھ شرک اور دین اسلام کا انکار ہے " ۔ (۳۴)

برصغیر کی تاریخ کا گہرا تجزیہ کرنے والے محققین کے نزدیک ہندومذہب اپنی تمام ترقوت جاذبہ کے باوجود اسلام کو اپنے اندر جذب نہیں کرسکا تو اس کی ایک بڑی وجہ وحدت الوجود کے مقابلہ میں وحدت الشہود کی اشاعت بھی ہے ۔

مشہور مورخ اور فلسفی ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے نزدیک " وحدت الوجود کا رداس عہد کی سب سے بڑی ضرورت تھی اور اسلام اس وقت جس مرض میں مبتلا تھا اس کی تشخیص اسی پر مبنی تھی (۳۵) ان کے الفاظ میں " وحدت الوجود کا رجحان یہ ہے کہ وہ مذہبی فلسفوں اور اخلاقی ضابطوں کے درمیان اختلافات کو نظرانداز کردیتا ہے ، یہ اس قوم کیلئے مہلک ہے جو یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ وہ دنیا کی ایک انوکھی (منفرد) قوم ہے جس کے لئے لازمی ہے کہ وہ اپنی انفرادیت کو قائم رکھے ورنہ تباہ ہوجائے گی " ۔ (۳۶) وہ لکھتے ہیں " حضرت مجدد کی تبلیغی مساعی کا حاصل یہی تھا کہ اسلامی تعلیمات کو ہندومت کے ساتھ اشتراک مقصد سے روکیں اور انہیں محض وحدت الوجودی تعلیمات نہ بننے دیں ، مسلمانوں کی ملت اور اسلامی تعلیمات کی پاکیزگی اسی طرح برقرار رہ سکتی تھی

کہ ان کی جداگانہ ہستی اور انوکھی نوعیت پر اصرار کیا جائے" (۳۷)۔

گویا دوسرے الفاظ میں اسلامی قومیت کی تشکیل، مسلم تشخص کے قیام، مسلمانوں کی سیاسی برتری اور اسلامی اقدار کی بالادستی کیلئے وحدت الشہود کا نظریہ اس دور کی صورتحال کا ناگزیر تقاضا اور وقت کی اہم ضرورت تھی جس نے برصغیر کے مسلمانوں کو یہ شعور دیا کہ ہندو مسلم ترکیبی ثقافت برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی برتری کے خلاف ایک سازش ہے جس سے متحدہ قومیت کو تو فروغ حاصل ہوسکتا ہے مگر اس کی قمیت مسلمانوں کو اپنے ملی وجود اور مذہبی تشخص سے دستبرداری کی شکل میں ادا کرنا ہوگی۔ مسلم مفکرین کے نزدیک اسی فکر وشعور نے درحقیقت " ہندوستان کی اسلامی سلطنت اسلام کو لوٹا دی"۔ (۳۸) اس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو حضرت مجدد کا یہ فکری رویہ اس دور کے معروضی حالات کے پیش نظر انتہائی معقول نظر آتا ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے بجا فرمایا ہے کہ " وحدت الوجود کے برعکس وحدت الشہود کے تصور سے عملاً اسلام کی سیاسی حاکمیت اور مسلمانوں کی یہ حیثیت مسلمان کے جماعتی برتری وسیادت پر منتج ہوتی تھی اور اس کے ساتھ ہی محکوم ہندوؤں اور ان کے مذہب کی تحقیر بھی اس میں شامل تھی"۔ (۳۹) غیر مسلموں بالخصوص ہندوؤں کے متعلق آپ نے جو سخت رویہ اور دوٹوک موقف اختیار کیا وہ دراصل وحدت الوجود اور بھگتی تحریک کو تقویت حاصل ہورہی تھی۔ آپ اپنی متعدد تحریروں میں ہندوؤں کے خلاف غیظ وغضب کا اظہار کرتے ہیں اور ان سے بغض وعناد رکھنے اور انہیں نجس وناپاک قرار دینے کی تلقین کرتے ہیں۔ (۴۰) مثلاً اسی سلسلے کے ایک مکتوب میں شیخ فرید بخاری کو تحریر فرماتے ہیں " کفر اور کافروں کو ذلیل کرنے میں اسلام اور مسلمانوں کی عزت ہے، جزیہ سے کفار کی اہانت اور ذلت مقصود ہے، کافروں کی جس قدر عزت کی جائے، اسلام کی اسی قدر ذلت ہے"۔ (۴۱) یہ موقف اگرچہ بظاہر عام صوفیاء کے نقطۂ نظر سے نیز عہد جدید کے اصول رواداری اور وسیع المشربی کی خلاف نظر آتا ہے، جس کی بناء پر بعض معاصدین آپ کے اس رویے کو موجیت پسندی او سادیت پسندی پر محمول کرتے ہیں اور اسے فلسفہ وحدت الشہود کا ناگزیر نتیجہ خیال کرتے ہیں۔ (۴۲) جبکہ بعض نے آپ کے ان نظریات کو ہندوؤں کے خلاف آپ کی تشددانہ ملامتی مہم قرار دیا ہے۔ (۴۳) مگر یہ تنسقید دراصل حضرت مجدد کی دینی وسیاسی بصیرت اور ان کے دور کی سیاسی، مذہبی اور معاشرتی صورتحال سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ اس دور کی صورتحال کے گہرے تجزیے سے اس رویہ کا سمجھنا آسان ہوجاتا ہے اور یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ رویہ بالکل فطری اور حالات کے عین مطابق تھا۔ حضرت مجدد اپنے دور کی صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر

اسلام اور مسلمان اسی صورتحال سے دوچار رہے تو یہاں سے اسلام کا غلبہ ہمیشہ کیلئے ختم ہوجائے گا ۔ جس کا مطلب خود مسلمانوں کے سیاسی اور سماجی مقام کا خاتمہ اور ہندوؤں کو ہندوستان کی قسمت کا مالک بنانا ہے وہ مسلم امراء دربار کو اس تشویشناک صورتحال کا شعور دلاتے ہوئے متوجہ کرتے ہیں کہ :

" کفار بند بے تحاشا بدم مسجد مے نمایندو آنجا تعمیر معبد بائے خود می سازندونیز کفار برملا مراسم کفر بجای آرند و مسلمانان دراجرائے اکثر احکام اسلام عاجزاند " ۔ (۴۴)

(ہندوستان کے کفار بے تحاشا مسجدوں کو ڈہاتے ہیں اور ان کی جگہ اپنے مندر بناتے ہیں ، اس طرح کفار علانیہ کفر کی رسوم سرانجام دیتے ہیں مگر مسلمان اسلام کے اکثر احکام بجالانے سے مجبور ہیں)

اور ایک دوسرے مکتوب میں اپنی تشویش کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ :

" ہندو صرف اس پر راضی نہیں کہ اسلامی حکومت میں کھلے بندوں ان کے کافرانہ قوانین نافذ ہوجائیں بلکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکامات وقوانین سرے سے ناپیدونابودکردیئے جائیں ، ان کو مٹادیا جائے کہ شعائر اسلامی اور مسلمانوں کا کوئی اثرونشان یہاں باقی نہ رہے (۴۵) ۔

وہ اہم مناصب پر فائز درباری امراء کو دربار اسلام کی کسمپرسی اور مسلمانوں کی ذلت وخواری کا احساس دلاتے اور اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کیلئے جدوجہد کی دعوت دیتے ہیں ۔ (۴۶) ۔

ان حالات میں جب کہ ایک طرف ہنداحیاء کی تحریکیں زوروں پر ہوں ، دوسری طرف مسلمان ایک مسلمان بادشاہ کے عہد حکومت میں احکام اسلامی جاری کرنے سے عاجز ہوں ، بلکہ شعائر اسلامی کو مٹانے کی مہم باقاعدہ سرکاری سرپرستی میں جاری ہو ، وجودی نظریات کی اشاعت اور بھگتی تحریک کے زیر اثر مسلم اور غیر مسلم کا امتیاز مٹنے لگا ہو اور دیر وحرم میں تفریق کا خاتمہ ہورہا ہو ، اگر آپ سکوت اختیار کرتے اور مصلحت کوشی سے کام لیتے ہوئے ہندوؤں کے خلاف سخت ردعمل ظاہر نہ کرتے تو یقیناً کچھ ہی عرصہ میں مسلمان ہندویت کی انجذابی فلسفہ کا شکار ہوکر ایک علیحدہ ملت کا وجود کھوبیٹھتے ۔ اس تناظر میں ہی آپ کی فکر اور رویہ کی معقولیت کو پرکھا جاسکتا ہے اس صورتحال کے تجزیہ اور ادراک کے بغیر آپکے رویے کو ہدف تنقید بنانا سخت ناانصافی ہوگی ۔

مستشرق فرائڈ مان (FRIED MANN) نے بھی آپکے رویہ کی یہی توجیہ ان الفاظ میں کی ہے ۔

" ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے بارے میں سرہندی کے جو خیالات بعض جگہوں پر واشگاف ملتے ہیں وہ دراصل ان کے خیالات کی نشوونما سے متعلق نہیں بلکہ ان کا تعلق اس

سیاق وسباق سے ہے جس میں وہ لکھ رہے ہیں "۔ (۴۷)۔

حضرت مجدد کے ہندوؤں سے متعلق اس انداز فکر سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بھی حقائق کے منافی ہوگا کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ کسی قسم کے تعاون باہمسایانہ رواداری کیلئے کسی صورت میں تیار نہ تھے آپ کا طریق کار مثبت اور تعمیری تھا آپ نے ہندوانہ تشدد کے مقابلہ جبروتشدد کی تحریک نہیں چلائی بلکہ صرف زبانی جہاد کی تلقین پر اکتفا کیا۔ چونکہ ہندوستان کے مسلمانوں کیلئے ہندوستان میں رہتے ہوئے ہندواکثریت کو نظرانداز کرنا ناممکن تھا اس لئے آپ نے ہندو مسلم مسئلے کا ایک وقتی حل بھی پیش کیا۔ شیخ محمد اکرام کے الفاظ میں:

"ہندو مسلم مسئلے کا انہوں نے ایک حل بھی پیش کیا اور شاید کشیدگی کو دور کرنے اور ملک میں ایک خوشگوار فضا پیدا کرنے کیلئے سب سے کارآمد طریق کار وہی تھا۔ ان کی نگہ تیز بین نے اندازہ لگایا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلافات اتنے بنیادی ہیں کہ دین الہیٰ کا ملغوبہ بناکر یا "رام" یا "رحمان" کو ایک کہہ کرانہیں جوڑا نہیں جاسکتا۔ یہ ایک سعی لاحاصل ہے یا خرابیوں کا پیش خیمہ اور بہرکیف اسلام اور مسلمانوں کے لئے خطرہ عظیم ہے۔ باہمی امن وامان کی خاطر اور ہندوستان کے خاص حالات کیلئے زیادہ سے زیادہ وہ جس بات کو گوارا کرسکتے تھے وہ یہ تھی

مسلمانان بردین خود باشندوکفار برکیش خود (آیت کریمہ) "لکم دینکم ولی دین" بیان این معنیٰ است" (۴۸) (یعنی مسلمانوں کو اپنے دین کی اتباع کرنی چاہئیے اور ہندوؤں کو اپنے مذہبی عقائد کی، قرآنی آیت "لکم دینکم ولی دین" کا یہی مفہوم ہے) یعنی امتزاج یا اتحاد (INTEGRATION) نہیں رواداری (CO-EXISTENCE)۔ (۴۹)

شیخ مجدد اپنے ایک مکتوب میں مشرکین کی نجاست سے متعلق اپنے نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آپ خلق خدا پر رحم کریں اور عام طور پر ان کی نجاست کا حکم نہ دیں اور مسلمانوں کو بھی کفار کے ساتھ ملنے جلنے کے باعث جس سے چارہ نہیں نجس نہ جانیں اور وہمی نجاست کے باعث مسلمانوں کے کھانے پینے سے پرہیز نہ کریں اور اس طرح سب سے بیزار نہ ہوں" (۵۰)

خلیق احمد نظامی آپ کے رویہ میں پیداشدہ اس لچک کی توجیہ یوں کرتے ہیں کہ

"درحقیقت ان کا رویہ اکبر کے مذہبی تجربات اور اس سے پیدا شدہ درباری ماحول کے خلاف ردعمل کے طور پر پیدا ہوا تھا جیسے ہی یہ ماحول ختم ہوا انکے رویہ میں بھی غیرمعمولی تبدیلی آگئی(۵۱)

آپ کے رویہ کی یہ تبدیلی دراصل ہندو مسلم ترکیب اور باہمی اختلاط واتحاد کے برخلاف محض وقتی مصلحت اور ضرورت کی نشاندہی کرتی ہے ورنہ آپ کا واضح موقف یہی تھا کہ مسلمان ہر اعتبار سے ہندوؤں سے جداگانہ ملت ہیں ، ان سے اتحاد ممکن نہیں ۔ اگر چہ وہ ایک ہی خطہ زمین میں ایک ساتھ بستے ہیں مگر ان کا نظریہ حیات اور ان کی منزل جداجدا ہے ۔ تاریخ نے آپ کے نقطہ نظر کی تائید کی ، ہندو مسلم اتحاد کبھی پنپ نہ سکا ، اختلافات بڑھتے گئے اور مسلمانوں میں جداگانہ قومیت کا شعور بیدار ہوتا گیا جو باالآخر ہندوستان کی تقسیم پر منتج ہوا ۔ اس اعتبار سے گویا آپ پہلے مصلح ہیں جنہوں نے برصغیر میں " دوقومی نظریہ " پورے زور وشور سے پیش کیا جس سے آپ کا مقصد دراصل ہمیشہ کیلئے ہندو مسلم اتحاد کا دروازہ بند کرنا تھا تاکہ مستقبل بعید میں کسی موڑ پر بھی مسلمان ایک خطہ زمین میں رہنے کی وجہ سے ہندوؤں کے ساتھ اتحاد کرکے قومیت کے نظریہ کو تشکیل نہ دیں ، اس طرح آپ نے اپنے مثبت افکار کے ذریعہ احیاء اسلام کے ساتھ ساتھ ہندومت کے احیاء کی تحریکوں کو ناکام بنایا اور اسلامی تہذیب وثقافت کو ہندواثرات سے بچانے میں کامیاب ہوگئے ۔ اگر چہ دور جہانگیری آپ کی تحریک اور فکر سے کافی متاثر نظر آتا ہے ۔ تزک جہانگیری سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں آپ کی تبلیغی اور اصلاحی کوششوں کے زیراثر جہانگیر کو ترویج شریعت کا خاص خیال رہتا تھا اور اسکے دل میں مذہب کا بڑا جوش تھا ۔ (۵۲) مگر اس تحریک کے اثرات ہمیں دور شاہجہانی اور دور عالمگیری میں زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں ۔

مورخ اشتیاق حسین قریشی دورعالمگیری کو حضرت مجدد کی مساعی کا نقطہ عروج قرار دیتے ہیں(۵۳) اس دور میں اسلامی نظام حکومت وسیاست کے ہر شعبہ میں اسطرح دخیل ہوچکا تھا کہ اسکی واضح اور گہری چھاپ ہر جگہ دکھائی دیتی تھی ، اسلامی عظمت وسطوت کے اظہار کیلئے شاندار مساجد تعمیر کی گئیں ، ہندوؤں کے متعلق سخت پالیساں اختیار کی گئیں ، غیر مسلموں کی محکومانہ حیثیت کا اثبات تھا ، سلطنت مغلیہ کے زوال کی بعد بھی حضرت مجدد کے افکار کے زیراثر مسلمانوں کے ہاں جداگانہ ملت ہونے کے رجحان نے مذہبی عقیدے کی سی شکل اختیار کرلی جسکے اثرات بہت بعد تک قائم رہے ۔ اقبال کی ملی شاعری دراصل اسی فکر کی صدائے بازگشت تھی اور تحریک پاکستان کے پیچھے جو مذہبی محرکات کام کررہے تھے انکا اساسی نقطہ بھی یہی تھااوراسی کے ذریعے اسے سب سے زیادہ تقویت ملی۔

حواشی

۱۔ دیکھئے (ا) عبدالعزیز شاہ : " عجالہ نافعہ " ۔ مطبوعہ کراچی ۱۳۸۳ ھ ص ۵ ، ۱۷۴ (ب) احمد امین ، " ظہرالاسلام " ج ۴ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۵ ء ص ۲۲۸ تا ۲۲۹ ۔ (۲) دیکھئے ۔ تاراچند ، ڈاکٹر : " تمدن ہند پر اسلامی اثرات " (ترجمہ اردو از ۱۸م

پروفیسر محمد مسعود احمد) لاہور ۱۹۶۴ء ص ۹۷ (۳). خلیق انجم: "مرزا محمد رفیع سودا"۔ علیگڑھ ۱۹۶۲ء ص ۳۷ (ملخصا)
بحوالہ "مقامات مظہری" از شاہ غلام علی دہلوی (ترجمہ و تحقیق محمد اقبال مجددی) لاہور اردو سائنس بورڈ ۱۹۸۳ء
ص ۲۷ ۔ ۲۸ ۔ (۴). DURIEOSBORNMAJORISLAMUNDERTHEKHALIFSOF
BAGHDAD P-12 (۵) A SUERVEYOF INDIANHISTORY. BOMBAY1947 P-155 کے ایم
نیکر (۶). دیکھئے: آبادشاہ پوری: "حضرت مجدد الف ثانی کے سیاسی مکتوبات" لاہور مکتبہ چراغ اسلام ۱۹۷۷ء
ص ۳۸ ۔ نیز دیکھئے: اکرام شیخ: "رود کوثر" ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۸۷ء ص ۱۰۰ ۔ ۱۰۱ نیز "اکبر نامہ" از ابوالفضل
بحوالہ رود کوثر ص ۱۰۰ ۔ (۷) دیکھئے چوپرا یران ناتھ کی کتاب SOMEASPECTSOF SOCIETY&
CULTURE DURING THE MUGHUAL AGE' THE GREAT MUGHUL" P-82 بحوالہ۔
(۸). SIRI RAM SHARMA 'THE RELIGIOUS POLICY OF THE MUGHUL EMPEROIR
P -42,43 نیز ایک اور ہندو مصنف اکبر کے بارے میں اپنی تصنیف میں یوں اظہار خیال کرتا ہے کہ اکبر گینو
برہمن کا بھگت تھا، تناسخ کا قائل تھا روزانہ گیتا سنتا تھا غرضیکہ اس کے خون کے قطرے قطرے میں ہندوپن کا جذبہ
صحیح طور پر سماچکا تھا" (چھیری رام حلیم "شہنشاہ اکبر اور ہندو دھرم" ص ۱۹) (۹). IBD. P-23
(۱۰). SRIVASTAVA M.P POLICIES OF THE GREAT MUGHULS" LAHORE BOOK
TRADERS 1979 . P- 8 (۱۱) THE RELIGIOUS POLICY OF THE MUGHUL EMPEROR.
(۱۲). دیکھئے۔ بدایونی "منتخب التواریخ، لکھنو نول کشور ۱۸۶۸ء ص ۲۴۰، ۲۴۳، ۲۴۴ (ص ۵ بقیہ P -24
حواشی دیکھیں آئندہ صفحہ پر) (۱۳). دیکھئے: POLICIES OF THE GREAT MUGHULS" P-89
(۱۴). منتخب التواریخ۔ ص ۲۲۶ (۱۵). ص ۱۵ ایضاً ص ۲۴۳ ۔ ۲۴۴ (۱۶). شیخ اکرام نے "رود کوثر" میں بدایونی
کے متعلق اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ص ۱۱۳ ۔ ۱۱۴ قاضی جاوید نے "مسلم فکر کا ارتقاء" میں بدایونی کو تنگ نظر،
مذہبی جنونی اور حاسد قرار دیا ہے۔ دیکھئے ص ۹۴ مطبوعہ لاہور۔ نگارشات ۱۹۸۶ء۔ (۱۷). یہ کتاب ۳ جلد میں کلکتہ
سے طبع ہوئی ۱۸۶۷ء۔ ۱۸۷۷ء اس کے اردو انگریزی میں تراجم بھی دستیاب ہیں۔ (۱۸). "طبقات اکبری" ۱۹۱۳۔
۱۹۳۱ء میں کلکتہ ایشیاٹک سوسائٹی سے ۳ جلدوں میں طبع ہوئی۔ (۱۹). اس کے متعدد ایڈیشن طبع ہوچکے ہیں۔
(۲۰). "خلاصۃ المعارف" (مولفہ و مکتوبہ ۱۰۳۷ھ) مخطوط انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہے۔

(۲۱). "جہانگیر نامہ" لکھنو سے ۱۸۹۸ء میں طبع ہوا۔ (۲۲). "دبستان مذاہب" بمبئی سے ۱۸۲۶ء میں طبع ہوئی۔
(۲۳). نکوس مینو کی "فسانہ سلطنت مغلیہ" (مترجم سید ظفر علی) آگرہ سے ۱۹۴۰ء میں طبع ہوئی۔ (۲۴). متعدد
مترجم ایڈیشن طبع ہوچکے ہیں۔ (۲۵). "آئین اکبری" مطبوعہ لکھنو ص ۲۸، ۲۹، ۳۲، ۱۱۰، ۱۹۳ وغیرہ۔
(۲۶). دیکھئے۔ قاضی جاوید: "برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء" لاہور، نگارشات ۱۹۸۶ء ۔ ص ۱۵۳ ۔ ۱۵۴، نیز اسی
مصنف نے "افکار شاہ ولی اللہ" (لاہور، ادارہ ثقافت پاکستان ۱۹۷۶ء ص ۳۶) میں بھی رائے کا اظہار کیا ہے۔

(۲۷) احمد فاروقی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی"، لکھنؤ ۱۹۱۳ء ج ۱، ص ۴۱۔ ۴۲ مکتوب (۳۱)، نیز مکتوب (۴۳) ص ۵۷۔ (۲۸)۔ ایضاً مکتوب (۴۳) ص ۵۷ (۲۹)۔ ایضاً مکتوب (۳۱) ص ۴۱۔ (۲۹)۔ ایضاً مکتوب (۳۱) ص ۴۱۔ (۳۰)۔ تفصیل کیلئے دیکھئیں: "مکتوبات امام ربانی" ج ۱، ص ۵۷ مکتوب (۴۳) وغیرہ۔ (۳۱)۔ دیکھئے۔ "مکتوبات امام ربانی" ج ۱ مکتوب (۳۰۔ ۳۱) ج ۲ مکتوب (۸۰) ج ۳ مکتوب (۵۳) (۳۲)۔ یہودی مستشرق ہارڈی آپ کے نقطہ نظر کی ترجمانی انہی الفاظ سے کرتا ہے۔ مثلاً دیکھئے HARDI SOURCES OF INDIAN TRADITIONS NEW YORK 1959-449 (۳۳)۔ مکتوبات۔ دفتر اول۔ مکتوب (۱۶۷)۔ (۳۴)۔ ایضاً۔ دفتر سوم، مکتوب (۴۱)۔ (۳۵)۔ اشتیاق حسین قریشی: "برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ" (اردو ترجمہ) کراچی، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ ۱۹۸۳ء ص ۲۰۱ (۳۶)۔ ایضاً، ص ۲۰۰ (۳۷)۔ ایضاً، ص ۲۰۱۔

(۳۸)۔ BURHAN AHMAD FAROOQI THE MUJADDIDS CONCEPTION OF TAWHID LAHORE 1939 P-18-19 (۳۹)۔ سرور محمد: "افادات وملفوظات مولینا عبیداللہ سندھی"، لاہور۔ سندھ ساگر اکادمی ۱۹۸۶ء ص ۲۴۱۔ (۴۰)۔ مکتوبات۔ دفتر اول مکتوب (۱۴۳) (۴۱)۔ مکتوبات۔ دفتر اول مکتوب (۱۹۳) (۴۲)۔ برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء ص ۱۵۸۔ (۴۳)۔ IRFAN HABIB "THE POLITICAL ROLE OF SHEIKH SIRHANDI WALIULLAH PROCEEDING OF INDIAN HISTORY CONGRESS ALI GARH PART - 1, P-211 (۴۴)۔ مکتوبات ج ۲ مکتوب ۹۲ ص ۱۴۳ (۴۵)۔ ایضاً ج ۱ مکتوب ۸۱ ص ۱۰۲، (۴۶)۔ مثلاً دیکھئے اس دور کی اہم اور نمایاں شخصیات خان اعظم، خان خانان اور شیخ فرزند وغیرہ کو تحریر کردہ مکتوبات مثلاً ج ۱، ص ۸۲۔ ۸۳ مکتوب (۶۵)، مکتوب (۸۱) ص ۱۰۲ نیز ج ۲ ص ۱۴۳ مکتوب (۹۲)

(۴۷)۔ FRIED MANN YOHANAN "SHEKH AHMAD SIRHNDI AN OUT LINE OF HIS THOUGHT AND STUDY OF HIS IMAGE IN THE EYES OF POSTERITY" MEGILL UNIVERSITY MONTREAL AND LONDON 1971 P-75 (۴۹)۔ "رود کوثر" ص ۳۲۴۔ ۳۲۵

(۵۰)۔ مکتوبات امام ربانی" ج ۳ مکتوب (۳۲) ص ۵۳۔ (۵۱)۔ NIZAMI K.A "NAQSHBANDI INFLUENCE ON MUGHAL RULERS OF POLITICS ISLAMIC CULTURE HYDERABAD DECCAN, VOL XXXIX NO. 1 JAN. 1965 P-50

(۵۳)۔ QURESHI ISHTIAQ HUSSAIN "HISTORY OF FREEDOM MOVEMENT" KARACHI 1957 VOL-1- P-20

جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد اصغر اسعد صاحب

اسلام کے معاشی نظام میں شراکتی کاروبار

ایک جائز تجارتی سکیم

اسلام دین رحمت ہے۔ اس نے زندگی کے تمام شعبوں کیلئے ایسے اصول وضوابط مقرر کیے ہیں کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو مسلمان زندگی کی دوڑ میں کبھی بھی پیچھے نہیں رہ سکتے۔ تجارت بھی زندگی کا اہم شعبہ ہے۔ اور بہت ہی باعزت پیشہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور صحابہ کرامؓ نے ہمیشہ تجارت اپنایا اور ہمارے لیے بہترین نمونہ چھوڑا۔ گویا تجارت مسلمانوں کی میراث ہے اور ہمیں اس میدان میں سب سے آگے ہونا چاہئیے۔ تجارت کے جواز اور اہمیت کے ساتھ ساتھ اسلام نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ ناجائز ذرائع سے دولت قطعاً نہ کمائی جائے بلکہ ناجائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت کو حرام، سحت اور کسب خبیث فرمایا ہے۔ چنانچہ چوری، نصب، رہزنی، سود، قمار بازی، ذخیرہ اندوزی، کم تولنا، گویا کمائی کی ہر ضرر رساں صورت کو حرام قرار دیا ہے۔ ربوا اسلئے حرام قرار دیا ہے کہ اس میں ایک فریق کو بلا کسی معاوضہ کے فائدہ اور دوسرے کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں ایسی تجارتی سکیمیں یا کاروبار جس میں افراد نفع ونقصان میں شریک ہوں اسے جائز قرار دیا ہے اور اسلامی اقتصادیات کی اصلاح میں اسے " شراکت " کہتے ہیں۔ اسلام کے اقتصادی نظام میں مشترکہ سرمایہ دار کمپنیوں کی بہت اہمیت ہے۔ امام الانبیاء والمرسلین کے دور میں شراکتی کاروبار بہت مقبول تھے۔ آپ نے شراکت ہی کے ذریعہ بے روزگار مہاجرین کو کاروبار پر لگایا تھا، چنانچہ جب انصار نے نبی اطہر علیہ الصلوۃ سے عرض کیا کہ آپ ہمارے اور مسلمان مہاجرین کے درمیان باغ تقسیم کردیجئے تو آپ نے فرمایا نہیں۔ انصار نے مہاجرین سے کہا کہ محنت اپنے ذمہ لو اور ہم میوے میں شریک کرلیں گے تو مہاجرین نے کہا کہ ہم نے مانا (۱)۔ فقہی اصطلاح میں اگر شراکت زراعت کے متعلق ہوتو اسے مزارعت کہتے ہیں اور اگر درختوں اور گلاب وغیرہ کی کیاریوں سے متعلق ہو تو اسے " مساقاۃ " (۲)

<u>شرکۃ العقود</u>۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایسی سرمایہ کاری یا تجارتی کاروبار جس میں دو یا دو سے زیادہ افراد مل کر سرمایہ فراہم کرتے ہیں اور نفع ونقصان میں باہمی شریک ہوتے ہیں تو اسے

"شرکۃ العقود" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یعنی ایسی شراکت جو معاہدہ کے ذریعہ عمل میں آتی ہے گویا اسے ہم "PARTNERSHIP OF CONTRACT" بھی کہہ سکتے ہیں۔

یہ تجارتی کاروبار دنیا کے دیگر حصوں کی طرح قبل از اسلام بھی عربوں میں رائج تھا۔ طلوع اسلام کے بعد اسے برقرار رکھا گیا۔ (۳) اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سے آج تک لوگ شرکت کے ذریعہ کاروبار کرتے ہیں (۴)۔ کیونکہ کسی بڑی تجارتی مہم کو سرانجام دینا کسی ایک فرد کا کام نہیں چنانچہ چند افراد مشترکہ سرمایہ اور محنت کے ساتھ اس مہم کو پورا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ تمام علماء اسلام ایسی شرکت کے جواز کے قائل ہیں، جس میں ایک شریک دوسرے شریک ہی کی طرح اس قسم کا مال یعنی درہم ودینار کاروبار پر لگادیتا ہے اور انہیں اس طرح خلط ملط کردیتا ہے کہ وہ ملکر ایک ہی مال بن جاتے ہیں اور تمیز باقی نہیں رہتی کہ کسی کا مال فروخت ہوا اور کس کے مال سے تجارت کا سامان خریدا گیا، اگر نفع ہو تو سب کو نفع میں حصہ رسدی ملتا ہے۔ اگر نقصان ہو تو سب نقصان میں شریک ہوتے ہیں۔ (۵)

<u>شراکت کی شرائط</u>:- (الف) شرکت ایک معاہدہ ہے لہذا اس کے لئے ایجاب وقبول لازمی ہے (۶)۔ (ب) معاہدہ شرکت درہم، دینار اور رائج الوقت سکہ سے منعقد ہوتا ہے (۷)، لیکن امام ابوحنیفہؒ اور قاضی ابویوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ صرف دینار (سونے کے سکے) اور درھم (چاندی کے سکے) سے ہی شرکت کا معاہدہ ہوسکتا ہے اور تانبے کا سکہ (فلوس) سے نہیں ہوتا کیونکہ ان کی قیمت ہر وقت بدلتی رہتی ہے اوران کی نوعیت دوسرے سامان کی مثل ہوجاتی ہے (۸)۔ (ج) اگر مال اشیاء کی شراکت کی شکل میں ہو تو شراکت کا کاروبار شروع کرنے سے پہلے اس کی قیمت کا تعین زر کی صورت میں ہونا ضروری ہے یا ایک شریک اپنا نصف مال دوسرے کے نصف مال سے تبادلہ کرلے اور اس طرح سامان ہی کو سرمایہ قرار دیا جائے تو اس میں کوئی عذر باقی نہیں رہتا اور نہ مالیت کے متعلق جھگڑا ہوسکتا ہے۔

<u>دستاویز کی تحریر</u>:- شمس الائمہ علامہ سرخسی شراکت کے معاہدہ کیلئے دستاویز کا لکھا جانا ضروری قرار دیتے ہیں۔ شرکت ایک ایسا معاہدہ ہے جو ایک مدت تک جاری رہتا ہے۔ لہذا اس کے لیے دستاویز کا لکھا جانا ضروری ہے تاکہ کبھی جھگڑا ہوجائے تو پس دستاویز کے ذریعہ فیصلہ کیا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں: "یاایھاالذین آمنو اذا تداینتم بدین الیٰ اجل مسمًّی فاکتبوہ" (۹) (اے مسلمانو! جب تم ایک مدت کیلئے قرض لو تو اس کو لکھ لیا کرو)۔ نیز دستاویز کا مقصد توثیق اور

احتیاط ہے۔ پس اس کے لیے لازمی ہے کہ دستاویز لکھی جائے تاکہ مستقبل میں کسی قسم کے جھگڑے اور شکوک وشبہات سے بچا جاسکے اور دستاویز کے الفاظ یوں ہونے چاہئیں۔

" ھذا کتاب فیہ ذکر ما اشترک علیہ فلان وفلان " یہ وہ دستاویز ہے جس میں فلاں فلاں شخص نے جو اشتراک کیا ہے اس کا تذکرہ ہے۔ اور یوں کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب کبھی کوئی معاہدہ کیا تو باقاعدہ اس کو تحریر کیا جس طرح کہ آپؐ نے صلح حدیبیہ والے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو صلح نامہ لکھنے کا حکم دیا کہ :- " ھذا ما اصطلح محمد بن عبداللہ و سھیل بن عمرو علیٰ اھل مکۃ " یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد بن عبداللہ اور سھیل بن عمرو کے درمیان مکہ والوں کیلئے ہوا۔ دستاویز تحریر کرتے وقت اس میں سرمایہ کی مقدار کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے، تاکہ اس سے نفع کی مقدار معلوم ہوسکے اور بوقت نزاع اس کی طرف رجوع کیا جاسکے اور اس دستاویز میں یہ بھی تحریر کیا جائے کہ :

" وذالک کلہ فی ایدیھما " اور یہ سرمایہ ان کے ہاتھ میں نقد موجود ہے۔ (۱۰) اور اس طرح لکھنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سرمایہ غائب نہیں ہے اور نہ قرض ہے بلکہ وہ زر ہے جو ان کے ہاتھ میں موجود ہے۔ پھر اس شرکت کی دستاویز میں ہر ایک کو ان کی مقدار سرمایہ کے مواقع جو نفع ملے گا اس کا تذکرہ کیا جائے نیز یہ بھی لکھا جائے کہ انہوں نے فلاں سال اور فلاں مہینے میں اشتراک کیا۔ تاریخ کے تعین سے جھگڑے نہیں ہوپاتے اور نہ ہی ان میں سے کوئی ایک اس بات کا دعویٰ کرسکتا ہے کہ اس تاریخ سے پہلے اس نے مال خریدا اور اس میں اس کا حق ہے۔

شرکت کی اقسام :- بلحاظ نوعیت اور سرمایہ فقہاء اسلام نے شرکت کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) شرکۃ المفاوضہ (۲) شرکۃ العنان (۳) شرکت الصنائع (۴) شرکۃ الوجوہ۔ ہر ایک کی وضاحت ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

شرکۃ المفاوضہ :- دو یا دو سے زائد افراد مساوی سرمایہ کے ساتھ اور نفع ونقصان میں برابری کے اصول پر کسی کاروبار میں شریک ہوں تو اسے شرکۃ المفاوضہ کہتے ہیں۔ (۱۱) شرکت کے اس قسم میں ہر شریک دوسرے کا وکیل بھی ہوتا ہے اور ضامن بھی۔ کاروبار کے آغاز کےلئے ضروری ہے کہ شرکاء مال حاضری کے ساتھ شریک ہوں۔ سٹاک یا واجب الوصول اثاثوں کے ساتھ شرکت المفاوضہ وجود میں نہیں آسکتی۔ (۱۲) شرکۃ المفاوضہ میں کاروبار کا مال کوئی بھی شریک رہن رکھ کر کاروبار کیلئے قرض لے سکتا ہے اور تمام کاروبار اس قرض کو ادا کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اسی طرح کوئی شریک مشترکہ کاروبار کا کوئی حصہ کسی بیرونی شخص کو مضاربت کے طور پر بھی دے سکتا ہے یا پھر

باہر سے کوئی سرمایہ اس اصول پر مشترکہ کاروبار کےلیے لے سکتا ہے۔ شرکۃ المفاوضہ کی جملہ قسموں میں تمام شرکاء کو کاروبار چلانے کی مکمل آزادی ہوتی ہے۔ ہر شریک کو امین تصور کیا جاتا ہے۔ (۱۳)

شرکۃ العنان :- شرکۃ العنان میں دو یا دو سے زائد اشخاص غیر مساوی سرمایوں اور غیر مساوی نفع و نقصان کی نسبتوں سے کاروبار کرنے کیلئے جمع ہوسکتے ہیں۔ اس میں ہر شریک دوسرے شریک کا وکیل ہوتا ہے ضامن نہیں ہوتا (۱۴) چنانچہ اگر ایک شریک دوسرے شرکاء کی رضامندی کے بغیر کوئی ایسا عمل کرتا ہے جس سے کاروبار پر کوئی بوجھ آئے تو باقی شرکاء اسکے ذمہ دار نہ ہوں گے۔ شرکۃ العنان میں چونکہ شریک دوسرے کا وکیل تو ہوتا ہے کفیل نہیں ہوتا۔ لہذا اگر کاروبار کے کسی واجب الوصول قرضے میں ایک شریک مہلت دے دیتا ہے یا کچھ چھوٹ دے دیتا ہے تو دوسرے شرکاء اس کے اس عملی سے بری الذمہ ہوں گے۔ (دیکھئیے المبسوط : ۱۱/ ص ۱۷۴)

شرکۃ الصنائع : اگر ہنرمندوں اور دستکاروں کا گروہ مل کر کاروبار اس طرح چلانا چاہیں کہ لوگوں سے اپنے متعلقہ پیشے کے سلسلہ میں کام لیا کریں اور جو نفع ہو اسے باہم تقسیم کریں۔ مثلاً دھوبیوں کا کوئی گروہ اگر چاہے تو واشنگ کمپنی بناکر دھونے کیلئے لوگوں سے کپڑے لے سکتا ہے اور کمپنی کا جو منفع ہوگا وہ تقسیم ہوتا رہیگا۔ اس کا دوسرا نام شرکت تقبل یا شرکت اعمال اور شرکۃ ابدان ہے (۱۵) اس قسم کی شراکت میں شرکاء ایک دوسرے کے کفیل بھی ہوتے ہیں اور ضامن بھی ہوتے ہیں (۱۶) احناف کے نزدیک تو اس قسم میں اتنی وسعت ہے کہ دو مختلف پیشے یا ہنر والے جیسے درزی، رنگ ریز وغیرہ کاروبار میں شرکت کرلیں اور اپنے اپنے پیشے کے مطابق کام کرکے نفع باہمی بانٹ سکتے ہیں، اسی طرح حنفی فقہاء نے بطور استحسان یہ شراکت بھی جائز قرار دی کہ ایک آدمی دکان (سٹاک) وغیرہ کا مالک ہے اور ایک شخص کاریگر ہے دونوں نفع ونقصان میں شریک ہے تو یہ کاروبار جائز ہے دیکھئیے : " السرخسی، المبسوط " (۱۱/ص ۱۵۹)۔

شرکۃ الوجوہ :- دو یا دو سے زائد افراد جو نہ کسی ہنر سے واقف ہو اور نہ ان کے پاس سرمایہ ہو، لیکن اپنی ساکھ اور اعتماد پر لوگوں سے مال لیکر باہمی کاروبار کرسکتے ہیں اور اس طریقے سے جو نفع ہوگا وہ آپس میں بانٹ لیں گے۔ اسے شرکۃ الوجوہ یا شرکۃ الناس کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
(دیکھئیے (" السرخسی، المبسوط ۱۱/ ۱۵۲)۔

نوٹ :- شراکت کے معاملہ میں یہ بات باعث دلچسپ ہے کہ مذہب مالکیۃ کی مستند کتاب " المدونۃ الکبریٰ " میں شراکتی کاروبار کی بہت سی مثالیں بیان کی ہیں ان میں سے چند ایک کا تذکرہ

ذیل میں سے کیا جاتا ہے۔

ا۔ طبی شراکت :- دو یا دو سے زائد ڈاکٹر ملکر مشترکہ طور پر علاج معالجہ کیلئے دواخانہ قائم کرسکتے ہیں ۔ مشترکہ سرمایہ سے ادویات خرید کر ہسپتال چلاسکتے ہیں ۔ اخراجات کی کٹوتی کے بعد جو خالص آدمی ہو اسے حسب تصفیہ باہمی تقسیم کرلیں ۔ (۱۷)

ب ۔ تعلیمی شراکت :- طبی شراکت کی طرح دو یا دو سے زیادہ اساتذہ مل کر مشترکہ تعلیمی ادارے کھول کرکے آمدنی باہمی تقسیم کرسکتے ہیں۔

ج ۔ مشترکہ کاشت :- امام مالک کے نزدیک مشترکہ سرمایہ سے مویشی، آلات زراعت جیسے ٹریکٹر وغیرہ اور بیج وغیرہ خرید کر مشترکہ عمل سے زراعت کریں تو جائز ہے ۔ (۱۸)

د ۔ شراکت حمل ونقل (TRANSPORTCOMPANY) دو یا دو سے زیادہ افراد مل کر تجارتی اصولوں پر حمل ونقل کی شراکت ٹرانسپورٹ کمپنی قائم کرسکتے ہیں ۔ (۱۹) اسی طرح مشترکہ سرمایہ سے بری ، بحری اور ہوائی کمپنیاں بناکر حمل ونقل کیلئے شراکتی کاروبار کیا جاسکتا ہے۔

انفساخ شرکت :- درج ذیل صورتوں میں ہر قسم کے شراکتی کاروبار فسوخ ہوجائیں گے۔

(۱) واضح ہونا چاہئیے کہ شریک کو شراکتی معاہدہ کے فسخ کا اختیار حاصل ہوتا ہے لہذا جب کوئی شریک معاہدہ کو فسخ کرنے کا اختیار استعمال کرتا ہے تو انفساخ اس وقت تک جاری نہ ہوگا جب تک دیگر شرکاء کو اطلاع نہ دی جائے ۔ (۲) کسی شریک کے مرجانے پر معاہدہ شراکت فسخ ہوجائیگا وہاں اگر ورثاء چاہیں تو شریک کے معاہدے کی ازسرنو تجدید کرسکتے ہیں ۔ (۳) اسی طرح اگر کوئی شریک مرتد ہوجاتا ہے تو بھی اس کا معاہدہ فسخ ہوجاتا ہے ۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ : یہ خیال انتہائی غلط ہے کہ مشترکہ سرمایہ دار کمپنیاں عہدجدید کی پیداوار میں بلکہ قدیم زمانہ سے اس کا رواج رہا ہے ۔ زمانہ قبل ازاسلام میں بھی یہی طریقہ رائج تھا چنانچہ عرب کے قدیم معاشی نظام کا اگر مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ قریش کے تجارتی قافلے مشترکہ سرمایہ سے چلتے تھے ۔ البتہ عصرحاضر میں ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا گیا اور متعلقہ قوانین میں وسعت اور لچک پیدا کی گئی ۔

خلاصہ کلام :- اسلام کے نظام معیشت میں ہر نفع آور کاروبار جو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہو وہ جائز ہے ۔ لیکن ساتھ ساتھ ہر ضرررساں کاروبار اور بالخصوص ربا قطعی حرام ہے ۔ تاہم مساقاۃ یا مزارعۃ ، شرکۃ ہو یا مضاربۃ سب اجتماعی کاروبار کے دروازے اسلام کے نظام معیشت میں کھلے ہیں۔

حواشي و مصادر

(۱) البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الشروط، باب الشروط فی المعاملۃ: ۳/ ۲۴۹ (۲) فقہ اور حدیث کی کتب کی طرح مزارعۃ اور مساقاۃ سے متعلق علیحدہ علیحدہ باب پائے جاتے ہیں۔ (۳) المرغینانی، الھدایہ، کتاب الشرکۃ ج ۴/ ص ۵۸۷ مطبوع کراچی (۴) السرخسی، المبسوط، کتاب الشرکۃ (۵) ابن رشد، بدایۃ المجتھد، کتاب الشرکۃ، ج ۲/ ص ۱۹۱ مطبوعہ المکتبۃ العلمیۃ لاہور (۶) المرغینانی، الھدایۃ، کتاب الشرکۃ، ج ۲/ ۵۸۸۔ (۷) ایضاً: ج ۲/ ص ۵۹۱ (۸) ایضاً: ج ۲/ ص ۵۹۱ (۹) سورۃ بقرۃ: آیت نمبر ۲۸۲ (۱۰) السرخسی، المبسوط ج ۱۱/ ص ۱۵۶ (۱۱) ایضاً، ج ۱۱/ ص ۱۵۲، المرغینانی: الھداہ، کتاب الشرکۃ، ج ۲/ ص ۵۸۸ (۱۲) الکاسانی، بدائع الصنائع ج ۲/ ص ۵۹، ۶۰: (۱۳) السرخسی، المبسوط، ج ۱۱/ ص ۱۵۷ (۱۴) ایضاً، ج ۱۱/ ص ۱۷۴ (۱۵) الکاسانی، بدائع الصنائع، ج ۲/ ص ۱۵۵ (۱۶) السرخسی، المبسوط، ج ۱۱/ ص ۱۵۵ (۱۷) امام مالکؒ بن انس، المدونۃ الکبریٰ، ج ۴/ ص ۲۶، مشترکہ الاطباء والمعلمین۔ (۱۸) المدونۃ الکبریٰ ج ۴/ ص ۲۹۔ باب الشرکۃ فی الزرع، (۱۹) امام مالکؒ، المدونۃ، ج ۴/ ص ۲۷، شرکۃ الحمالین۔

(XXXXXXXXXXXXXXXXXXXXX)

★ بقیہ صـ9ـ سے

اسلام پر عظیم احسانات ہیں۔ اور ہمارے مولانا سمیع الحق نے ان کے مشن کو پوری شان و شوکت سے آگے بڑھایا ہے۔ آج دارالعلوم کی اس عظیم ترقی میں مولانا سمیع الحق کی مساعی نہایت تحسین کے مستحق ہے۔ اس موقع پر دارالعلوم کے شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب المدنی نے صدر صاحب کو یاددہانی کرائی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم موقع فراہم کیا ہے اس کو غنیمت جان کر پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے عملاً کوشش فرمائیں۔ انشاء اللہ آپ کا نام تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھا جائے گا۔ اس سے قبل وزیر اعلیٰ سرحد سردار مہتاب عباسی دارالعلوم تشریف لائے اور مولانا سمیع الحق صاحب کے ساتھ تعزیت اور فاتحہ خوانی کی۔

دروس الکافیہ شرح پشتو کافیہ ابن حاجبؒ

افادات: مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

رعایتی قیمت: =/75 روپے۔ ناشر: مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (ضلع نوشہرہ)

محترمہ دلشاد بیگم صاحبہ

تعلیمات اسلامی اور عالمی امن

دور حاضر کا سب سے بڑا مسئلہ بدامنی، بے چینی اور انتشار ہے۔ اس کی بنیادی وجہ تعلیمات اسلامی سے دوری ہے اور مادیت پرستی ہے۔ اسی نے انسان کا ذہنی سکون اور دلی اطمینان غارت کردیا ہے، جس کے نتیجے میں عملی بحران اور اخلاقی بے راہ روی پیدا ہوگئی ہے۔ جب انسانی عقل مادیت کے دھارے بہتی ہوئی بہت دور نکل آئی، تو آج انسان خود یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ علم وفن کی ترقی کے باوجود اور مادی سرد سامان کے ہوتے ہوئے بھی انسان کو سکون اور خوشی حاصل نہیں ہوئی دراصل یہ کہ انسان جتنا مادی علوم وفنون کی ترقی میں آگے بڑھتا گیا وہ اسلامی تعلیمات سے دور ہوتا گیا۔ اس کا انسان شعور اور ادراک ترقی پذیر نہیں ہوا۔ بقول پروفیسر جوڈ کے " انسان نے پرندوں کی طرح ہوا میں اڑنا اور مچھلیوں کی طرح سمندر میں تیرنا تو سیکھ لیا لیکن اسے انسانوں کی طرح زمین پر رہنا اور چلنا نہیں آیا۔ (۱)۔ زمین ہر سال اربوں ٹن غلہ اگلتی ہے، مگر اسکے باوجود نوع انسانی بھوک کا شکار ہے۔ بحرو بر اور شمس قمر مسخر ہیں، لیکن پھر بھی انسان کو اطمینان قلب حاصل نہیں ہوتا۔ انسان قتل وغارت گری سے نجات چاہتا ہے، لیکن اس کے باوجود ہر وقت اپنی ہی بنائی ہوئی مشینوں سے خود اپنے ہاتھوں کروڑوں افراد انسانی کو موت کے گھاٹ اتار رہا ہے۔ گویا انسان اپنے آپکو صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے ہوچکا ہے۔ ہر طرف بدامنی پھیلی ہوئی ہے۔ انسانیت دم توڑ چکی ہے۔ نسلی انسانی امن کیلئے ترس رہی ہے۔ ہر طرف امن امن کی پکار ہے لیکن امن کے دیوتا خود امن کے دشمن بنے بیٹھے ہیں۔ انسانیت کا لبادہ اور ڈھکر درندہ صفت انسان انسانیت کی تباہی پر تلے ہوئے ہیں۔ امن کا علم بلند کرنے والے اپنے سیاہ کرتوتوں کے باعث نسلی انسانی کو تباہی کے دہانے پر لے جاچکے ہیں۔ عالمی امن تباہ ہوچکا ہے۔ باہمی اعتماد اٹھ گیا ہے۔ خود غرضی، لالچ، حرص وطمع اور نفس پرستی کے امراض اب ساری انسانیت کے ناسور بن چکے ہیں۔ نسل کشی میں برابر اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ برائی کی قوتیں غلبہ پا رہی ہیں۔ مذہبی اور قومی تعصب کی بنا پر غالب اقوام مغلوب اقوام کو کچل رہی ہیں۔ اقوام متحدہ جو برائے نام امن قائم کرنے والا ادارہ بن کر رہ گیا ہے۔ وہ بے دست وپا اور مفلوج بن کر رہ گیا ہے۔ بڑی اور طاقتور اقوام کے اشاروں پر ناچتا ہے اور امن کے قیام میں ناکام ہوگیا ہے۔ ان حالات میں سب سے زیادہ نقصان عالم اسلام کا ہوا ہے۔ جہاں جہاں مسلمان اقوام کمزور ہیں، ان کو کچلا جارہا ہے۔

فلسطین جہاں زبردستی اسرائیلی حکومت قائم کردی گئی ہے۔ مقبوضہ کشمیر جن پر مظالم کی انتہا کردی گئی ہے۔ اور ہندوؤں کے ہاتھوں ان کی جان ومال اور آبرو کوئی چیز محفوظ نہیں اور ان کو کسی قسم کی آزادی حاصل نہیں حتیٰ کہ مسجد میں نماز پڑھنے تک ہندو سامراج ان کو منع کرتی ہے۔ روس نے چیچنیا کے مسلمانوں پر مظالم کی انتہاء کردی ہے۔ اس سے پہلے وہ افغانستان پر بے تحاشا مظالم ڈھا چکا ہے۔ جس کی وجہ سے بالآخر مجبور ہوکر افغانیوں کو ملک کی سرحد پار کرنا پڑی اور پاکستان میں پناہ گزین ہوگئے۔ اور آج بھی تقریباً ۴۰ لاکھ افغان مہاجر پاکستان میں مقیم ہیں اور پناہ لئے ہوئے ہیں۔ ان کو بے گھر کرنے والا ایک ظالم طاقتور لادین ملک روس تھا۔ اسی طرح بوسنیا میں چند سالوں سے جو مظالم مسلمانوں پر کئے جارہے ہیں۔ ان کا خون پانی کی طرح بہایا گیا، ان کا قتل عام کیا گیا حتیٰ کہ عورتوں کی عصمتیں لوٹی گئیں اور بچوں تک کو قتل کیا گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ لاوارث، یتیم بچوں کو دوسرے ممالک میں پناہ لینے اور ماں باپ کی جدائی کا صدمہ برداشت کرنے پر مجبور کیا گیا۔ یہ سب آخر کیوں ہوا؟ اس لئے کہ مسلمان کمزور تھے اور ان کی کمزوری کی وجہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا نہ ہونا ہے۔

اسلام ایک ایسا مضبوط نظام پیش کرتا ہے جو عالمی امن کا ذریعہ بن سکتا ہے جو تاریخ میں ان حالات سے جنگ کرچکا ہے۔ دور حاضر کی سب سے بڑی ضرورت ایک فوق البطبعی ایمان کا احیاء ہے۔ وہ فوق البطبعی ایمان ہمیں صرف اسلام فراہم کرتا ہے۔ یہ دور سائنس اور علم وفن کا دور ہے۔ کوئی ایسا مذہب نہیں چل سکتا جو اوہام اور خرافات کا مجموعہ ہو، محض "پرائیوٹ" بن کر رہنے پر اکتفا کرے۔ عقل وفرد کے خلاف ہو اور تعصب وعناد کی پیداوار ہو۔ مغرب نے جس مذہب عیسائیت سے گلوخلاصی کرائی تھی وہ اسی قسم کا غیر علمی اور غیر عملی "پرائیوٹ" مذہب ہے۔ یہ انسان کے مسائل کو حل نہیں کرسکتا۔ اسی مذہب کے خلاف اشتراکیت نے بغاوت کی تھی اور اسے سرمایہ داروں کا آلہ کار لوٹ گھسوٹ کا ذریعہ لوگوں کو سلانے کی افیون اور غیر سائنٹیفک ٹھہرایا تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے تمام مذاہب اور ادیان صرف ایک خاص قوم اور خاص وقت کیلئے نازل کئے گئے تھے۔ ان کی تعلیمات صرف انہی اقوام کیلئے تھیں جن پر وہ نازل کئے گئے۔ (مثلاً موسیٰؑ کی آخری کتاب استشناء میں بیان ہے کہ موسیٰؑ نے ہم کو وہ شریعت عطا فرمائی جو کہ حضرت یعقوبؑ کی میراث ہے) اس فقرے نے شریعت تورات کا خاص اسرائیلوں ہونا ظاہر کردیا ہے۔ اگر یہ فقرہ نہ ہوتا تو کوئی مدعی یہ کہہ سکتا تھا کہ شریعت تورات سب دنیا کیلئے ہے۔ انجیل متی میں ذکر ہے کہ جب مسیح علیہ السلام نے اپنے بارہ شاگردوں کو تبلیغ کیلئے روانہ کیا تو فرمایا:

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا" (۲)۔ گویا حضرت عیسیٰؑ

کی تعلیمات بھی صرف اور صرف بنی اسرائیل ہی کیلئے تھیں ۔ ہندومذہب میں بھی تحصیل علم وفضل اور قرات وید کا کام صرف برہمن ہی کے ساتھ مخصوص ہے ۔ لیکن اسلام کا معاملہ سب سے جدا ہے ۔ اسلام دین فطرت ہے اور اسلامی کی دعوت دعوت عامہ ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام زمانوں کے تمام انسانوں کیلئے بنی بن کر آئے ہیں ۔ قرآن حکیم کی سورۃ اعراف میں خود پروردگار لم یزل گواہی دیتا ہے کہ " قل یایھاالناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً الذی لہ ملک السموت والارض " (۴) ۔ ترجمہ :- اے نبی کہہ دیجئے کہ اے انسانوں ! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں اس آیات میں مسلمانوں یا مومنوں یا کسی خاص گروہ کو مخاطب نہیں کیا گیا بلکہ براہ راست " نسل انسان " یعنی ہر طبقے اور ہر وقت کے انسان کو مخاطب کیا گیا ہے ۔ اسی طرح قرآن پاک ہی میں ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے : " وما ارسلنک الا کافۃ للناس " (۵) ترجمہ :- ہم نے تجھے جملہ نوع انسانی کیلئے بھیجا ہے " یعنی اسلام کا پیغام کل عالم کے انسانوں کیلئے اور قیامت تک کے کل زمانوں کیلئے ہے ۔ اسلام ایک مکمل دین ہے اور مکمل ضابطہ حیات ہے ۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جو زندگی کے کسی بھی شعبہ سے تعلق رکھنے کی رہنمائی کرتا ہے اور ہر عمر میں اصلاح کرتا ہے ۔ چاہے جوانی ہو یا پیری ، امیری یا غریبی ، امن وجنگ ، امید وترنگ ، رنج وراحت ، حزن ومسرت کے ہر درجے پر پایہ اور ہر مقام پر لا تفریق ہر انسان کی رہبری کرتا ہے ۔ جس کی تعلیمات نے درندوں کو انسان بنایا ۔ رہزنوں کو جہاں بانی اور غلاموں کو سلطانی سکھائی ۔ اگر اسلام کے خلاف لوگوں کے تعصب کو دور کیا جاسکے اور دنیا والوں کو اس کے آزاد اور غیر جانبدارانہ مطالبہ کی دعوت دی جاسکے تو یقیناً اسلام ہی وہ دین ہے جو عقل وفرد کو سکون بخشتا ہے ۔ جس کے پاس دلوں کا اطمینان ہے ۔ " الا بذکر اللہ تطمئن القلوب " (۶) جو علمی اور عملی ضابطہ حیات ہے ۔ " ان الدین عنداللہ الاسلام " (۷) جس میں روح کے ساتھ جسم اور مادہ کے تقاضوں کا جواب بھی موجود ہے ۔ " اتنا فی الدنیا حسنۃً وفی الاخرۃ حسنۃ " (۸) جس کے پاس ایک متوازن اور عادلانہ سیاسی ، معاشی ، معاشرتی اور روحانی ، اخلاقی نظام موجود ہے ۔ وہ عرب جو اسلام سے پہلے معمولی معمولی باتوں پر لمبی لمبی لڑائیاں لڑتے تھے ، اسلام لانے کے بعد تمام نفرتیں اور کدورتیں ختم کرکے شیر وشکر ہوگئے ۔ بقول شاعر حالی کے :

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا   کہیں گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا (۹)
لب جو کہیں آنے پہ جھگڑا   کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
یونہی روز ہوتی تکرار ان میں
یونہی چلتی رہتی تلوار ان میں

یہ تمام بدامنی اسلام کے بعد ختم ہوگی۔ جس کا ذکر قرآن مجید نے ان الفاظ میں کیا ہے:
" اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم " (۱۰) (جب تم دشمن تھے ہم نے تمھارے دلوں میں محبت ڈال دی)، یعنی تم دشمن تھے ہم نے تمھارے دلوں میں محبت ڈال دی۔ یہ سب اسلامی تعلیمات کی بدولت ممکن ہوا۔ اسلام نے انسان کو رسوم کی زنجیروں، اندھی تقلید کی بیڑیوں اور جہالت کی ہتھکڑیوں سے آزاد کیا۔ انسان کی انسان کیلئے بندگی اور غلامی کی نفی کردی گئی۔ عبدیت اور عبادت صرف ایک خالق کیلئے خاص کر دی گئی اور انسانوں کو غیروں کی غلامی سے پوری طرح آزاد کردیا۔
پس اسلام وہ اخلاقی مرکزیت، روحانی بنیاد اور ذہنی وقلبی سکون کا مقام مہیا کرتا ہے۔ جو انسان کو فرداًو جماعۃً ہر قسم کے انتشار سے بچاتا ہے۔ وہ انسان کی اس کائنات میں اصل حیثیت متعین کردیتا ہے۔ کہ وہ خدا کا نائب ہے۔ نہ تو خدا ہے اور نہ کسی اور کا بندہ۔ " انی جاعل فی الارض خلیفۃً " (البقرہ) (۱۱) (بے شک میں نے انسان کو زمین پر اپنا نائب بنایا)۔ وہ کہتا ہے کہ کائنات انسان کے لئے بنائی گئی ہے۔ مگر اسے ہر چیز کو اپنے مالک وخالق کے حکم واذن سے برتنا چاہئیے۔ " خلق لکم ما فی الارض جمیعاً (۱۲) " ان الحکم الا للّٰہ امر ان الا لا تعبدو الا ایاہ " (۱۳) (دنیا مقصود بالذات نہیں۔ ایک عارضی ٹھکانہ ہے۔ آخرت میں حساب وکتاب، جز وسزا ہوگی۔ انسان ہر عمل وفعل کیلئے جواب دہ ہے)۔ " ولتسئلن یو میذ عن النعیم " (۱۴)۔ انہی اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی بدولت تاریکی میں ڈوبا ہوا عرب روشنی کا منارہ بن گیا۔ جب زمانۂ جاہلیت اسلام کی بدولت زمانہ عروج میں بدل گیا تو یقیناً ہمارا موجودہ زمانہ مصائب اسلامی تعلیمات کی پیروی کی بدولت زمانہ امن وآشتی میں بدل سکتا ہے۔ اسلامی تعلیمات پر عمل کرکے ہی ہم عالمی مسائل کو حل کرسکتے ہیں۔ جدید جاہلیت کا بدترین مسئلہ قوم پرستی ہے۔ جب دین کو دنیا سے الگ کرکے اپنی عملی نظام زندگی سے خدا کو خارج کردیا گیا تو اب ایک اور مرکزی بنیاد کی ضرورت پیش آئی جس پر سیاست معاشرت اور اخلاق ومعیشت کی تعمیر کی جاسکے۔ اس کے ہاں وہ بنیاد قوم پرستی قرار دی گئی۔ تہذیب جدید نے اس بنیاد کو بھی قدیم یونانی اور رومی تہذیبوں سے اخذ کیا تھا۔ اپنے وطن سے تعلق خاطر اپنے اعزہ وقرباء سے پیار اپنی زبان سے محبت ایک فطرتی جذبہ ہے اور اس میں بڑی معاشرتی مصلحتیں رکھی گئیں ہیں، لیکن " قوم پرستی " کا جنون جو موجودہ تہذیب نے پیدا کیا یہ قوم وملت سے پیار اور زبان وطن سے محبت کی فطری اور سادہ شکل سے ایک بالکل مختلف چیز ہے۔ جاہلیت جدیدہ نے قوم و وطن اور زمین ونسل ورنگ کو معبود کا درجہ دے دیا۔ اب اس کی پہلی فطری اور سادہ شکل بدل گئی۔ اب یہ نفرت وحقارت کا ایک خون خوار دیوتا بن کر نمودار ہوا۔ خدائے واحد کے سوا ہر معبود ہی خود ساختہ اور باطل ہے، لیکن جدید دور کے اس بے رحم معبود

نے جس قدر قربانیاں مانگی ہیں، جتنا خون اس کی نذر کیا گیا ہے، عزت وناموس کو جس قدر اس کی راہ میں برباد کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ بقول اقبالؒ تہذیب کے آزاد کا تراشا ہوا یہ خنم بڑا ہی منہ زور بڑا ہی ظالم وستمگر اور بڑا ہی متکبر ومغرور ثابت ہوا ہے۔ ؎

تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے (۱۵)

دور جدید کا یہ سنگ دل دیوتا، فتنہ وفساد کا سب سے بڑا منبع ثابت ہوا۔ دو مہیب اور مہلک جنگیں اس کی قربان گاہ پر انسانی جان ومال اور عزت وناموس کی جو بھینٹ چڑھا چکی ہیں، اس کی مثال ساری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس کے نام پر بڑی بڑی ناانصافیاں بدعہدیاں اور بددیانتیاں کی گئی ہیں۔ اس خون خوار معبود نے انسانیت کے شریف اور لطیف جذبات کو کچل کر انسانوں کو وحشی درندے بنا دیا ہے۔ نفرت وحقارت کا سیلاب امنڈ آیا ہے۔ گورے کالوں پر اور مغربی مشرق والوں پر پل پڑے ہیں۔ اس جذبہ قوم پرستی کی تہہ میں رنگ ونسل کا بہیمانہ تعصب کار فرما ہے۔ یہی سبب ہے کہ مغرب والوں نے افریقہ، امریکہ اور مشرقی ممالک کے رنگدار لوگوں کو یسوع مسیح علیہ السلام کا پیغام محبت دے کر عیسائی تو بنالیا مگر ان سے بدستور نفرت ہی کرتے رہے۔ دراصل مغرب والوں نے مفتوح قوموں کو انسان نہیں سمجھا۔ اس سلسلے میں ان کی عدامت وبغض کا خصوصی نشانہ مسلمان بنے ہیں۔ کیونکہ اہل مغرب کو اول روز ہی سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ازلی ابدی بید رہا ہے۔ جبکہ اسلام میں کسی کو کسی پر کوئی برتری یا فوقیت حاصل نہیں۔

" ان اکرمکم عنداللہ اتقکم " (۱۶) (یعنی تم میں اللہ کے نزدیک معزز ترین وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے)۔ اسلام میں یہودیوں کی طرح خاص نسل کو ہی اللہ کی برگزیدہ قوم کے لقب سے مخصوص نہیں کیا گیا نہ ہی ہندوؤں کی برہمن اور راجپوت جیسی اقوام کو سب سے اعلیٰ وبرتر قرار دیا گیا۔ عیسائیوں کی

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: " لا فضل لعربی علی عجمی الا بالتقوی ولا فضل لعجمی علی عربی راہ بالتقوی" (اطبرانی) (۱۷) کی طرح اپنے سوا باقی سب پر رحمت وفضیلت کے دروازے بند نہیں کئے گئے، بلکہ ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں یہ فرمایا کہ " عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں "۔ تمام ظاہری حسب ونسب کے بت پاش پاش کردیئے گئے۔ حدیہ کے حقوق انسانی کی حفاظت کرتے ہوئے تمام انسانوں کو برابری کا درجہ دیا گیا۔ اسلام ہر شخص کو مذہبی آزادی عطا کرتا ہے۔ تیسویں پارے میں سورۃ کفرون میں آتا ہے۔ " لکم دینکم ولی دین "

(تمھارے لئے تمھارا دین اور میرے لیے میرا دین (۱۸) ۔ اسی طرح اسلام مذہبی تعصب کا پرچار کرنے سے سختی سے منع کرتا ہے ۔ قرآن کریم میں آتا ہے : " الا اکراۃ فی الدین قد تبین الرشد من الغی " (۱۹) (دین میں ــــ واکراہ نہیں اور ہدایت گمرائی سے واضح کردی گئی ہے) ۔ اسی طرح اسلام یہ بھی کہتا ہے کہ کسی قوم سے مخالفت کا ہونا تمھیں انصاف نہ کرنے کی طرف نہ کھینچ لے جائے ۔ انصاف ہی کرو ، یہی خداشاسی سے قریب تر ہے ۔ " ولا یجر منکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلو " (۲۰) اسی لئے اسلام میں مجاہدین کو یہ حکم ہے کہ وہ دوران جہاد یا فتح پانے کے بعد مغلوب اقوام کے بوڑھے ، بچے ، عورت حتیٰ کہ جانور اور درخت کو نقصان نہ پہنچائیں اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے اس میں اور تو اور غیر مسلموں کے حقوق کا بھی تحفظ کیا گیا ہے ۔ جبکہ آج دنیا کے ہر معاشرے میں انسانیت کو کچلا جارہا ہے ۔ کشمیر ، فلسطین ، قبرص ، بوسنیا اور دوسرے بہت سے علاقوں میں انسانی سروں کی فصل کاٹی جارہی ہے ۔ آج دنیا کی ظالم اقوام جب کسی مفتوح علاقے میں داخل ہوتی تو ان کے مظالم بیان کرتے ہوئے زبان لڑکھڑاتی ہے اور روح کانپ جاتی ہے ۔ اقلیتوں سے برتا جانے والا سلوک ، جنوبی افریقہ اور امریکہ میں پایا جانے والا نسلی امتیاز دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کا غیر محفوظ ہوتا ہے ۔ بے تحاشا انفرادی اور اجتماعی مسائل کا حل صرف اور صرف اسلامی تعلیمات میں مضمر ہے ۔

آج عالمی امن کیوں مفقود نہ ہو کہ بوسنیا کے مہاجرین کے سنبھالنے کی ذمہ داری کو ایک طاقتور اپنے سر نہیں لیتا بلکہ جانوروں کی طرح بندربانٹ عمل میں لائی گئی ہے ۔ جبکہ آج سے فقط ڈیڑھ سو صدی قبل ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے مہاجرین کا مدینہ میں بسنے والے انصار کے درمیان مواخات کا رشتہ قائم کرکے اقوام عالم کو ایک دوسرے کی مشکلات میں کام آنے کا سلیقہ سکھا دیا ۔ آج عالمی امن کیسے ممکن ہے جبکہ جنگی سلوک فاتح اقوام کا شیوہ بن چکا ہے جبکہ اسلام عفوہ درگزر کا درس دیتا ہے اور مفتوح و مغلوب اقوام سے رحمدلی کا درس دیتا ہے ۔ جسکی مثال ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر قائم کی اور اپنے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان کے گھر کو دارالامان کا درجہ دیکر ہر فاتح قوم کو رحمدلی کا سبق سکھا دیا ۔ آج بے رحمی انسان کا شعار بن گیا ہے اور ہوس ملک گیری نے عالمی امن کو تباہ و برباد کرکے رکھ دیا ہے ۔ جنگ کے دوران ایک دوسرے کے ممالک پر پھینکا جانے والا ہزاروں ٹن بارود وہ تباہی لاتا ہے جو تاریخ میں چنگیزخان یا ہلاکوخان سے بھی منسوب نہیں جبکہ اسلام کا حکم انتہائی صورت میں اور فتنہ کے سدباب کیلئے دیتا ہے اور ساتھ ہی کمزوروں پر رحم کا حکم دیتا ہے ۔ اسی لئے مسلمان مجاہد عورت ، بچے ، بوڑھے اور مذہبی رہنماؤں پر حملہ نہیں کرتا بلکہ صرف ان لوگوں سے

جہاد کر ... مدمقابل ہوتے ہیں اور جنگ کیلئے تیار ہوتے ہیں۔ آج بھی اگر اقوام عالم اسلامی اصولوں پر کاربند ہوجائیں تو یہ تباہی، بربادی اور خون ریزی بند ہوسکتی ہے۔ آج عالمی امن کے فقدان کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حقوق انسانی کا علمبردار ادارہ "اقوام متحدہ" میں بھی جنگل کا قانون نافذ ہے۔ جس کے تحت پانچ بڑے ممالک کو حق تنسیخ حاصل ہے۔ وہ دنیا کے جس کونے میں جو کرنا چاہیں کریں انہیں پوچھنے والا کوئی نہ ہو۔ جبکہ مذہب اسلام میں کوئی یہودی ہو یا عیسائی کافر ہو یا مسلمان ہر زمانے میں اسلامی حکومت کے تحت ان کو انصاف ملتا رہا ہے۔ تاریخ شاھد ہے کہ کسی غیر مذہب والے کیساتھ اس لئے نا انصافی نہیں کی گئی کہ وہ مسلمان نہیں بلکہ اسلام کے قانون میں ہر مجرم چاہے وہ حاکم وقت کی اولاد کیوں نہ ہو اس کو سزا ضرور ملی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرماکر کہ اگر میری بیٹی فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چوری کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کٹوا دیتا (۲۱)۔ اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ یہودی مذہب اس لئے بدنام ہوا کہ قانون کی نظر میں امیر اور غریب برابر نہ تھا اور اس طرح معاشرتی انصاف قائم نہیں ہوسکتا۔ اسلامی قانون میں سب لوگ جرم وسزا میں برابر ہیں اور یہی اسلام کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ آج بھی اگر اسلامی تعلیمات پر عمل کیا جائے اور صحیح اسلامی روح قائم کی جائے تو یہ دنیا امن کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ تمام دنیا میں امن اور خوشحالی کا دور دورہ آسکتا ہے۔ وما علینا الا البلاغ

حواشی ومصادر

(۱) اسلام اور اہل کتاب (انگریزی) مریم جمیلہ (۲) کتاب استثناء ۵: ۴۴ خروج ۲۰: ۴ تا ۱۷ (۳) انجیل متیٰ باب ۱۰، آیات ۳۵ ۴ (۴) سورۃ اعراف آیۃ ۱۵۸، (۵) سورۃ سبا ۳۴ آیۃ ۲۸ (۶) سورۃ الرعد ۱۳ آیۃ ۲۸
(۷) سورۃ آل عمران آیۃ ۱۹ (۸) سورۃ البقرہ آیۃ ۲۰۱ (۹) مسدس حالی (الطاف حسین حالی) تاج کمپنی لمٹیڈ لاہور ۱۳۰۳ء دوسرا ایڈیشن صفحہ نمبر ۱۴ (۱۰) سورۃ آل عمران آیۃ ۱۰۳ (۱۱) سورۃ البقرہ آیۃ ۳۰
(۱۲) سورۃ البقرہ آیۃ ۲۹ (۱۳) سورۃ یوسف آیۃ ۴۰ (۱۴) سورۃ التکاثر آیۃ ۸ (۱۵) اقتباس علامہ اقبالؒ علمی کتب خانہ ۱۹۸۳ء تیسرا ایڈیشن صفحہ نمبر ۴۲۵۔ ۴۲۴ (۱۶) سورۃ الحجرات آیۃ ۱۳ (۱۷) اخرجہ المسند امام احمد بن حنبل ۵ : ۴۱۱ (۱۸) سورۃ الکفرون آیۃ ۶ (۱۹) سورۃ البقرہ آیۃ ۲۵۶ (۲۰) سورۃ المائدہ آیۃ ۸ (۲۱) اخرجہ بخاری فی کتاب الانبیاء باب حدیث الغار الرقم ۳۲۸۸/۳.

مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ

دہشت گردی عوامل اور اس کا حل
معزز ممبران پارلیمنٹ کیلئے ایک اہم لمحہ فکریہ

دہشت گردی کیا ہے ؟ :- فوجداری حوادثات میں قانون کو ہاتھ میں لینا اسلامی نقطہ نگاہ سے دہشت گردی ہے کیونکہ (۱) اسلام اس بات کو پسند کرتا ہے کہ مسلمان اپنے تنازعات کو حتی الوسع حکم اور پنچائیت کے ذریعے طے کیا کریں ۔ سیدنا فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام اعلان فرمادیا تھا کہ لوگو ! تم اپنے تنازعات آپس میں طے کرلیا کرو ، کیونکہ عدالت میں جانے سے دلوں میں کدورت پیدا ہوجاتی ہے ۔ (معارف القرآن ، ج ۔۲ ، ص ۴۰۵) اور اس لئے حکم اور ثالث کا فیصلہ جب کہ قرآن وسنت اور اجماع امت کے خلاف نہ ہو قاضی یعنی حکومت کے مجسٹریٹ اور جج کا حکم رکھتا ہے اور ازروئے شریعت فریقین پر اس کو تسلیم کرنا ضروری ہے ۔ اس کی باوجود حدود ور قصاص میں حکم اور ثالث کو فیصلہ کرنے کا اختیار شریعت نے نہیں دیا ۔ ایسے اہم معاملات میں حکومت کی طرف رجوع کرنا ضروری قرار دیا ہے جیسا کہ شامی ہدایہ وغیرہ کتب فقہ (۲) مرتد کو قتل کرنا ہی شریعت نے حکومت کا فریضہ قرار دیا ہے ، اگر عام شخص اسے قتل کردے تو حکومت کو اسے شرعی سزا دینا چاہئیے ۔ (شامی ، ج ۔۳ ، ص ۔ ۳۱۳) ۔ (۳) قومی ، لسانی ، سیاسی اور جماعتی فرقہ واریت کی بناء پر حق وناحق کی تحقیق کئے بغیر کسی کی طرف داری کرنے کو اسلام نے عصبیت جاہلیہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور جیسا کہ احادیث شریفہ میں مصرح ہے اور اس میں مرنا شرعا حرام ہے ۔ (۴) یہاں تک کہ مذہبی اختلافات کے باوجود اگر کسی اسلامی ملک کے غیر مسلم اور کافر شہری ذمی کو کسی مسلمان نے بلا حکم شرعی قتل کردیا تو مسلمان کو اسکے بدلے قتل کرنا حکومت کا شرعی فریضہ ہے ۔

اہل سنت والجماعت کے تمام مکاتب فکر کے آزاد دینی مدارس میں یہی کتابیں پڑھائی جاتیں ہیں ، اس کی تدریس اور تبلیغ کی جاتی ہے جن میں مذکورہ بالا اقدامات دہشت گردی کی تعریف میں آتی ہیں ۔ اسکے باوجود اگر کرسی نشین صاحب اقتدار یا لسانی قومی صوبائی اور سیاسی فرقہ واریت کے مریض اپنا کیچڑ تھا کہ مذھب کے منہ پر ڈالتے ہوئے ان دینی مدارس پر کوئی تہمت اور افتراء کرتے ہیں تو

یہ ان کی نہیں بلکہ ڈنڈے یا حسد کی زبان ہے۔ جس کا علاج فرشتہ موت کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

دہشت گرد کون ہے ؟ :- (الف) دہشت گرد ہماری وہ حکومتیں ہیں جو باوجود قدرت اور طاقت کے فوج کی پشت پناہی اور پولیس کی ہمنوائی کے باوصف دہشت گردوں کو شریعت کے مقرر کردہ سزاؤں سے پچاس سال سے گریز کررہی ہیں۔ قرآن مجید سورۃ مائدہ آیت نمبر ۴۵ میں ہے " اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اتارا سو وہی لوگ ہیں ظالم " اور آیت نمبر ۴۷ میں " انہیں لوگوں کو فاسق ، اللہ کے نافرمان فرمایا گیا ہے "۔ دہشت گرد ظالم اور فاسق یعنی اللہ کے قانون کی کھلی مخالفت کرنے والے فاجروں کا ہی دوسرا نام ہے۔

(ب) دہشت گرد مغربی جمہوریت کے اس طریق انتخاب کو برقرار رکھنے کی کوشش کرنے والے سیاسی لیڈر اور حکمران ہیں ، جس میں ہر دہشت گرد کو انتخاب میں حصہ لینے اور ہر دہشت گرد کو رائے دینے یعنی ووٹ کا اہل قرار دینے کا حق دیا گیا ہے جو پچیس سالہ اور اکیس سالہ پاکستانی ہو ایسی حکومت دوتہائی کیا سو فیصد اکثریت کی مالک ہو تو بھی ناممکن ہے کہ وہ دہشت گردون پر ہاتھ ڈالے۔ انہوں نے کل انہیں دہشت گردوں سے ووٹ کی بھیک مانگی ہے اور پاکستانی تاریخ کا مسلسل تجربہ ان کو بتلا رہا ہے کہ پرسوں تھیں پھر انہی دہشت گردوں کے در پر جبین نیاز جھکانی ہے اور ووٹ مانگنا ہے۔ جس دن بھی صحیح ثبوت کے بعد کسی امتیاز کے بغیر یہاں دہشت گردوں کو شرعی سزا دینے کا قانون نافذ ہوگا اور جس دن ہر دہشت گردوں کو یہاں ووٹ دینے کی اہلیت سے محروم کردیا جاوے گا اسی دن ملک دہشت گردوں سے پاک ہوجائے گا۔ طالبان افغانستان کی مثالی حکومت آج بھی اس کی زندہ مثال اور شریعت اسلامیہ کی روشن صداقت کی واضح دلیل ہے۔ اب بھی کوئی نہ سمجھے تو اسے اپنی ایمانی بصیرت کا علاج کرنا پڑے گا۔

فی الجملہ :- ملک میں امن وامان قائم کرنا حکومت کا اسلامی اور اخلاقی فریضہ ہے چونکہ ہماری حکومتیں اس میں بالکل ناکام رہی ہیں اس لئے اب اپنا قصور مذہبی فرقہ واریت کے سر تھوپ رہی ہے۔ اس کے لیے قرآن مجید کا فیصلہ یہ ہے جو کہ سورۃ طہ آیت نمبر ۶۱ میں مذکور ہے " کہ اور مراد کو نہیں پہنچا یعنی (ناکام ہوا) جس نے جھوٹ باندھا (افتراء کیا)

(۳) دہشت گردی کیسے ختم ہو ؟ :- اخبارات نے اس سلسلہ میں بعض وفاقی اور بعض صوبائی وزراء صاحبان کی کچھ تجویزیں شائع کی ہیں جن میں بعض تو بلامبالغہ ایسی ہیں کہ اگر

اخبار میں کسی ذمہ دار منتخب وزیر کا نام نہ دیا جاتا اور صرف تجویز آجاتی تو لوگ اسے دماغی ہسپتال کے کسی مریض کی بڑ کہہ کر ٹال دیتے۔ اسلئے ان پر وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

موجودہ وزیر داخلہ کا بیان:- موجودہ وزیر داخلہ جناب چوہدری شجاعت حسین صاحب کا بیان روزنامہ "خبریں" اسلام آباد بابت ۱۱ ستمبر ۱۹۹۷ء کے صفحہ اول کے آخر میں چھپا ہے اسکی سرخیوں کی تیسری اور چوتھی سطر میں ہے۔ "مدرسوں کو کنٹرول کرنے کیلئے وزارت تعلیم کی طرف سے ایک بل پارلیمنٹ میں لایا جارہا ہے انکی رجسٹریشن کی جائے گی۔ کسی کو کافر کہنا بھی انسداد دہشت گردی ایکٹ میں شامل ہے کسی کو کافر قرار دینے والے کی پکڑ ہوگی اورانہیں سزا دے جاوے گی"۔ اس بل اور مجوزہ ایکٹ پر ہم پارلیمنٹ کے ان معزز مسلمان ممبروں کو جو محاسبہ آخرت پر پورا ایمان رکھتے ہیں خدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عقل وشعور کا واسطہ دیکر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی درخواست کرتے ہیں کہ ۔(۱) کیا آپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ دینی مدارس کی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ عامۃ المسلمین کو یہ بتاتے رہیں کہ یہ کام جائز ہے اور یہ ناجائز، اسلام کے مطابق یہ حلال ہے اور یہ حرام۔ اس قول وعمل سے مسلمان اللہ تعالیٰ کا مقبول اور محبوب بندہ بن جاتا ہے اور اس قول وعمل سے وہ فاجر فاسق اور اللہ تعالیٰ کا مبغوض ہوجاتا ہے۔ اس قول اور عمل سے کافر مسلمان ہوجاتا اور اس قول وعمل سے مسلمان، کافر اور مرتد ہوجاتا ہے۔ یہ ذمہ داری ان کی صرف اخلاقی نہیں بنص قرآنی علماء کا یہ فریضہ ہے۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۸۷ میں فرمایا گیا ہے "اور جب اللہ نے عہد لیا کتاب والوں سے کہ اس کو بیان کیا کروگے لوگوں سے اور نہ چھپاؤ گے" اور مشکوۃ شریف میں آنحضرتؐ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے "کہ جس عالم سے کسی دینی حکم سے متعلق پوچھا گیا اور اس نے اس کو چھپا لیا اس کو قیامت کے دن آگ کی لگام دی جائے گی" (۲) اور یہ بھی آپ کو ضرور معلوم ہوگا کہ اہل سنت والجماعت کے تمام مکاتب فکر کے دینی مدارس میں تفسیر حدیث اور آئمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کی تحقیقات پر مشتمل یعنی فقہ کی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان میں نماز، روزہ، زکوۃ، حج، بیع، شراء، ربوا، نکاح وطلاق، مزارعت اور مضاربت، اجارہ مزدوری اور ملازمت کی طرح ایمانیات اور عقائد کی تمام تفصیلات میں موجود ہیں اور ان کا پڑھنا پڑھانا اور بتلانا اس سے بھی زیادہ ضروری ہے جتنا اعمال سے متعلق احکام کا کیونکہ تمام اعمال کی بنیاد صحت عقیدہ ہے۔ تو اس بل اور ایکٹ کے مطابق کیا ان سب کو کتابوں کو دریا برد کردیا جائے گا اور اگر یہ کتابیں خلاف قانون اور مستوجب سزا ہیں تو دینی مدارس کی وجہ جواز ہی کیا رہ جاتی ہے۔ زبان جلائی کئے قطع ہاتھ پہنچوں

سے یہ بندوبست ہوئے ہیں۔ میری دعا کیلئے پھر نمبر ۳ آپ حضرات جو معزز ملک کے ذمہ دار ممبر ہیں، ان کو یہ بھی سوچنا چاہئیے کہ اگر کسی کو کافر کہنا موجب سزا ہے تو پھر قرآن مجید کی سورۃ مائدہ آیت نمبر ۱۷ میں جو یہ فرمایا گیا ہے "کہ بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح ہے" اور اسی سورۃ کی آیت نمبر ۷۳ جس میں ارشاد ہے یہ "یہ کہ بیشک کافر ہوئے جنہوں نے اللہ تین میں کا ایک ہے کیا اس قسم کی آیات کا ترجمہ سنانا قابل سزا ہوگا، کیونکہ اس میں ایک فرقہ نصاریٰ کو کافر کہا گیا ہے اور سورۃ بینہ آیت نمبر ۶ میں جس میں فرمایا گیا ہے "جو لوگ کافر ہیں چاہے اہل کتاب (یہود اور نصاریٰ میں) اور چاہے مشرک ہیں وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ لوگ ہیں سب مخلوق سے بدتر"۔ اب یہ کسی کو کافر کہنا تو یہود نصاریٰ، سکھ، ہندو، ذکری فرقہ وغیرہ وغیرہ سب کو شامل ہے تو کیا ان سب میں سے کسی کو کافر کہنا اس ایکٹ کے رو سے مستوجب سزا نہ ہوگا۔ اگر کہو کہ مدعی اسلام فرقہ کو کافر کہنا مراد ہے تو کہے کہ کیا فرقہ مرتدہ قادیانیہ، مرزائیہ مدعی اسلام نہیں اور کیا آپ ہی کے ملک کی منتخب اسمبلی نے اسے بالاتفاق کافر قرار نہیں دیا؟ اور کیا پھر اس کے بعد مسلسل یکے بعد دیگرے کئی منتخب اسمبلیوں نے اس فیصلہ کو برقرار نہیں رکھا منتخب اسمبلیوں کے فیصلوں کو تو کفار ہی تسلیم کر رہے ہیں۔

قرآن کریم کا بھی واضح الفاظ میں یہ فیصلہ ہے کہ ہر مدعی اسلام مسلمان نہیں ہوتا۔ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۸ میں ہے "اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور وہ ہرگز مومن (مسلمان) نہیں ہیں"۔ تفسیر روح المعانی سے معارف القرآن میں نقل کیا گیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اگر کوئی فرقہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور نماز کی پابندی کرے اور زکوۃ ادا کرے، رمضان شریف کے روزے رکھے، بیت اللہ شریف کا حج کرے مگر پھر بھی ایسے کام جو حضور اکرمؐ سے ثابت ہو، اس کے ماننے سے دل میں تنگی محسوس کرے تو وہ فرقہ مشرکین میں سے ہے۔ بہرحال اس قسم کے بل اور ایکٹ کا ارادہ کرنا بھی مضحکہ خیز ہے اس سے دہشت گردی تو کیا ختم ہوگی مسائل در مسائل پیدا ہونگے۔ یہ مذہب میں مداخلت ہے جس کی انگریز جابر اور کافر حکومت کو بھی جرات نہیں ہوئی۔ "تمھیں شوق ہے تو اللہ کی دین کا مقابلہ کر کے دیکھو لو" سورۃ شعراء کے آخری آیت میں ہے بہت جلد ہے کہ معلوم کرلیں گے ظالم کہ کس کروٹ الٹتے ہیں۔

کافر کافر کے نعروں اور کافر کہنے یا کافر بتلانے میں بڑا فرق ہے:- کیا ہمارے دانشور اتنا بھی نہیں جانتے کہ کسی فرقہ کا نام لیکر کافر کافر کے نعرے لگانے اور کسی فرقہ کو جو بنیادی عقائد میں

اسلام سے مختلف ہوکر کافر بتلانے میں کھلا، ظاہر اور بین فرق ہے۔ کافر کو کافر کہنا یا اس کا غلط عقائد کی وجہ سے کافر بتلانا مذہبی فریضہ ہے اور بلا ضرورت شدیدا کافر کافر کے نعرے لگانا جھگڑا کرنے، لڑنے اور فساد کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ جہاں تک اپنے معلومات کا تعلق ہے ملی یکجہتی کی تشکیل کے وقت ان نعروں کے متعلق خود سپاہ صحابہ نے بھی اسے قابل غور سمجھا تھا کیونکہ نعرہ لگانے کی جو ضرورت تھی وہ پوری ہوگئی، جو چور اپنے ایک مسئلہ کی چادر میں چھپے ہوئے تھے بڑی حد تک کراچی سے لے کر ملک کے ہر جانب آخری حدود تک جان کے نذرانے پیش کرتے ہوئے اللہ کے پیاروں نے خوابیدہ امت کو جگادیا تھا۔ آزان دی گئی لاوڈ اسپیکر میں ہوئی محلہ اور شہر کے ہر نمازی کو نماز کی اطلاع پہنچ گئی اب اس وقت میں دوبارہ سہ بارہ اذان کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ اب موجودہ حالات میں اس حکم شریعت پر عمل کرنے کی بڑی گنجائش نکل سکتی ہے "کہ اللہ کو آہستہ پکارو تمھارا رب نہ تو غائب ہے اور نہ دور ہے اور نہ ہی بہرا"۔ لیکن خود اللہ کے نام لینے یا اللہ کریم کے احکام بتلانے پر پابندی لگانا کسی مسلمان کا کام نہیں ہوسکتا۔

ماہنامہ "الخیر" ملتان کی نہایت ہی معقول اور قابل عمل تجویز:-

اس تجویز کا خلاصہ یہ چار نکاتی پروگرام ہیں۔

(۱) ایسی تمام تقریروں اور تحریروں کو خلاف قانون قرار دیا جائے جن میں سرور کائنات احمد مجتبیٰ حضرت محمدؐ کے اہل بیت امہات المؤمنین اولاد اطہار اور آپ کے جانثار صحابہ کرام علیہم الرضوان بالخصوص خلفاء راشدین صدیق اکبرؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنھم کی شان میں گستاخی کی گئی ہو معاذاللہ خاک دہن بردشمن انہیں کافر یا مرتد وغیرہ کہنے کی بکواس کی گئی ہے یا کی جاوے۔ (۲) ہر قسم کے مذہبی جلوسوں پر پابندی عائد کی جاوے۔ (۳) ہر فرقہ کو ان کے مذہبی رسومات و تقاریر چار دیواری کے اندر کرنے کا پابند کیا جاوے۔ لاوڈسپیکر کی آواز باہر تک پہنچانے پر سخت پابندی ہو۔ (۴) ایران سے آنے والے لٹریچر پر پابندی لگائے جاوے کہ اس میں اکابر امت اور صحابہ کرام علیہم الرضوان پر رکیک حملے پائے جاتے ہیں۔

تجویز انتہائی سنجیدہ معقول اور قابل عمل ہے اس پر اگر پوری ایمانداری سے عمل کیا جائے تو مذہبی فرقہ واریت کے غلط نتائج یعنی لڑائی اور جھگڑے بھی ختم ہو سکتے ہیں اور حکومت بھی مزید پریشان کن مسائل سے ایک حد تک بچ سکتی ہے، لیکن اس پر صحیح عمل کرنے کیلئے صرف مادی اور عددی طاقت کافی نہیں ہے ایمانی جرات کی بھی انتہائی ضرورت ہے۔

گر عصائے لاالہ داری بدست ہر طلسم خوف را خواہی شکست

تحریک عمل برائے نفاذ شریعت اسلامیہ پاکستان کے خدام اس تجویز کی دل کی گہرائیوں سے تائید و تحسین کرتے ہیں اس کی قبولیت عنداللہ اور مقبولیت عندالناس کی دعا کے ساتھ ساتھ ادارہ الخیر سے پرزور استدعا کرتے ہیں کہ وہ اپنی اس تجویز کو بمعہ ضروری تمہید اور تدلیل کے قومی اسمبلی کے ایک ایک ممبر تک پہنچا دینے کی ضرور کوشش فرما کر اپنا مذہبی اور شرعی فریضہ ادا فرماویں۔ یاد ہوگا کہ اس مخصوص فرقہ نے صحابہ کرامؓ پر ناروا قدح پر مشتمل ایک کتابچہ اسمبلی کے ہر ہر ممبر کو پہنچا دیا تھا جس کے جواب میں علامہ خالد محمود صاحب نے "معیار صحابیت" تصنیف فرمادی واللہ اعلم کہ ہر ہر ممبر تک پہنچانے کا انتظام بھی کسی ادارہ نے کرلیا تھا یا نہیں؟۔ تحریک عمل کے پاس ہر قسم کے وسائل ہوتے تو اپنی اس ٹوٹی پھوٹی تحریر کو ضرور ہر ہر ممبر تک پہنچا دینے کا ضرور انتظام کرتی۔ والامر بیداللہ تبارک وتعالیٰ۔

الخیر کا جاندار چیلنج:۔ الخیر کے اس تحدی اور چیلنج میں بھی کافی وزن ہے کہ دھونس اور دھاندلی کی بجائے وزراء صاحبان عدالت کا دروازہ کیوں نہیں کھٹکھٹاتے کہ ٹکے کے مولوی بلاوجہ ہمیں کیوں کافر کہتے ہیں ان کو روکا جائے۔ الخیر بابت ستمبر ۱۹۹۷ء واقعی عجیب بات ہے کہ ذمہ داراور منتخب وزراء صاحبان اخبارات پھانسی دینے اور سر کچل دینے کی دھمکیاں تو دیتے رہے ہیں ملک کی بڑی عدالت سپریم کورٹ کی شرعی بنچ جسکے اراکین خود آج کی طاقتور حکومت کے منظور کردہ ہیں انکی طرف کیوں رجوع نہیں کرتے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوکر مسئلہ ہی ختم ہوجائے۔ ملک کے کونے کونے میں خدام اہلسنت تنظیم اہلسنت سپاہ صحابہؓ، سواد اعظم کراچی، اہلسنت پنڈی کے قائدین کو آزما کر دیکھ لیں تاکہ نہ صرف ملک کے کروڑوں مسلمانوں بلکہ پورے اسلام کے عوام کو معلوم ہوجاوے کہ دلائل کے میدان میں کون جیتا اور کون ہارا۔ رہا وزارت کا ڈنڈا تو اس پر اتنی یاد دہانی کافی ہے کہ

؎ وزارتوں کے مقدر پہ ناچنے والوں
وزارتوں کا مقدر بدلتا رہتا ہے

جناب ماسٹر محمد عمر خان گڑھ

اسلامی ریاست کی خصوصیات

انسانی سوسائٹی کو قانون الٰہیٰ کا پابند بنانا اور ایک شیرازہ بند مملکت کے اندر جمع کرنا اسلامی سیاست کا منشا ہے۔ اسلام میں حکمت کا لفظ سیاست کے مفہوم کو پیش کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں ملک اور امور مملکت اور قانون کے ساتھ ساتھ بار بار حکمت کا ذکر کیا۔ ارشاد ربانی ہے:

" من یوت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا " (کہ خداوند تعالیٰ جس کو حکمت سے بہرہ مند کرتا ہے وہی خیر کثیر کا مستحق ہے) علامہ ابن خلدونؒ سیاست کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

" سیاست اس ذمہ داری کا نام ہے جس کی رو سے عالم انسان نگہداشت (کفالت) کا کام پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے جس کے ذریعے خداوند تعالیٰ کی نیابتی حکومت بندگان خدا میں خدا کے قانون کو نافذ کرتی ہے اور احکام کا اجرا عمل میں لاتی ہے۔ اس کام میں انسانی بہتری اور مفاد عامہ کا لحاظ رکھتی ہے اور قانون الٰہیٰ (نظام شریعۃ) کو فیصلہ کن قوت تسلیم کرتی ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون، ص: ۲)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی زندگی کے سیاسی محرکات کو حکیمانہ طرز بیان کے ساتھ پیش کرتے ہوئے تصریح کرتے ہیں کہ " اسلام کے نظام اجتماعی کا تعلق سیاست سے ہے اور سیاست کی اساس معتدل واجبات پر ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی جدوجہد کا مدار دو چیزوں پر ہے۔

(۱) صحیح انسانی تہذیب کی تعمیر (۲) امت کی سیاست کی تعمیر

خلافت راشدہ میں سیاسی حکمت عملی کا آفتاب نصف النہار مشرق و مغرب کے سرپر طلوع ہوا۔ اسلامی حکومت کی غایت اپنی سادگی اور عمومیت کے اعتبار سے ایک مستقل اور جداگانہ شئے ہے۔ ابن الطقطقی نے بالکل صحیح ارشاد فرمایا، وہ فرماتے ہیں: " اسلامی حکومت عام دنیوی حکومتوں سے بالکل ایک الگ اور پیغمبرانہ اوصاف سے مستفیض ہے۔ " انہا دولة لم تکن من طرز دول الدنیا وھی بالامور النبویة والا حوال الاخرویة اشبہ " علامہ ابن خلدونؒ اسلامی نظریہ سیاست کی وضاحت کرتے ہوئے تصریح فرمائی ہے کہ اسلامی حکومت کا قیام ایک قانونی ذمہ داری ہے ایک دنیوی حکومت خالص سیاسی قانون پر مبنی ہوتی ہے۔ اس حکومت کے قیام کے یہ معنی ہیں کہ رائے عامہ اس کے قانون کی اطاعت کرے لیکن ایک دینی حکومت کی تعمیر و تاسیس کی بنیاد وہ

قوانین بنتے ہیں جن میں سے ہر ایک قانون خدائی فرض کی شکل میں عائد ہوتا ہے۔ یہ قوانین ماہرین شریعت کے ذریعے قانونی صورت اختیار کرتے ہیں اور دنیا کے مفاد کی بہتری کا ذریعہ بنتے ہیں اور دین کی ذمہ داریوں میں یہ بھی ایک مستقل ذمہ داری ہے تاکہ ہمارا اجتماعی نظام قانون شریعت کے پابند ہوجائے۔ امام اعظم نوراللہ مرقدہ نے دین کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی:

" الدین اسم واقع علی الایمان والاسلام والشرائع کلھا " (دین تمام ہے ایمان کا اسلام ا اور جملہ شرعی قوانین کا)۔ آقائے دوجہاں تاج دار مدینہ سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو نبوت اور خلافت کا پایہ تخت بنایا۔ موسس اول صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی فتح مبین کے بعد انسانی مساوات، امن و آزادی اور اخوت کا اعلان سلاطین عالم درباروں میں سفرا کی روانگی بیرونی سفرا کی مدینہ منورہ میں باریابی، صوبائی تنظیم، حکام کا تقرر، فرامین واحکام کے اجرا سے عہدنبوی میں سیاست اسلامیہ کے بنیادی اصول متعین صورت میں بروئے کار لائے اور خلافت راشدہ میں اسلامی سیاست کا آفتاب نصف النہار تک پہنچ کر مشرق ومغرب کے سر پر پوری تابانیوں کے ساتھ چمکا۔ ابھی سو سال بھی نہ ہوئے تھے کہ اسلامی حکومت سب پر چھاگئی اور دنیا کی کوئی ااقت اس ابھرنے اوپر اٹھنے اور ساری کائنات تک اپنی روشنی پہنچانے میں مانع نہ ہوسکی۔

سلامی طرز حکومت میں ہر حکومت کا اچھا پہلو نظر آتا ہے اور ہر فاسد پہلو اس کے دائرہ تصور سے خالی ہے۔ اس کو ہر زمانے کے لئے قیامت تک کیلئے ترقی پذیر طرز حکومت کہنا عین صحیح ہوگا۔ اسلامی طرز حکومت کو موجودہ یورپ کی شہنشاہیت کی گنجائش نہیں بلکہ اسلام نے اس غرور کی چٹان کو پوری قوت کے ساتھ توڑ کر رکھ دیا۔ ان کو امن وسلامتی کے نظام کی طرف بلایا۔ جب انہوں نے انکار کیا تو آپ نے اعلان فرمایا: " قیصرو کسریٰ کے خاتمہ کے بعد نہ کوئی قیصر ہوگا نہ کوئی کسریٰ "

عہد فاروقی میں جب روم کا سفرمدینہ منورہ پہنچا اس نے دریافت کیا " تمھارا بادشاہ کہاں ہے " ؟ تو صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی طرف سے جواب ملا " مالنا ملک بل لنا امیر " ہمارا کوئی بادشاہ نہیں البتہ امیر ضرور ہے۔ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے کاندانی وراثت کے اصول کی زرا رعایت نہیں کی۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے: " اگر خلافت کےلئے قوت اور استعداد کی جگہ محبت کا اعتبار ہوتا تو وہ اپنے لڑکے کو حکومت پر فائز کرتے۔ اسدالغابہ ابن اثیر ج ۴ ص نمبر ۶۸

حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے جانشین کے انتخابات میں اپنے صاحبزادہ عبداللہ ابن عمرؓ کے متعلق خود ہدایت فرمائی کہ ان کو منصب حکومت حاصل کرنے کا کوئی حق نہیں "

حافظ عمادالدین ابن کثیر تفسیر ابن کثیر ج ۲ میں ارشاد فرماتے ہیں: اسلامی سوسائٹی کے نیکوکار اور شریعت اسلامیہ پر دسترس رکھنے والے ہی روئے زمین پر خدا کے نائب اور انسانیت کے راہنما انسانوں کے والی اور نگران ہیں اور وہی دنیا میں بہتر نظام قائم رکھنے والے ہیں۔

اسلامی حکومت اور مروجہ جمہوری حکومت کا فرق:-

(۱) اسلامی حکومت کے لئے مذہب بنیادی قانون کا درجہ رکھتا ہے۔ مروجہ جمہوری حکومت کا کوئی سرکاری مذہب نہیں ہوتا۔ (۲) اسلامی حکومت میں طاقت کا سرچشمہ خدا کی ذات واحد لاشریک کو قرار دیا گیا ہے، مگر جمہوری حکومت میں طاقت کا سرچشمہ عوام قرار پاتے ہیں۔ (۳) اسلامی حکومت میں مرتد ہونے کی قطعی گنجائش نہیں۔ جمہوری حکومت نہ مذہب کی حامی ہوتی ہے نہ مذہب کی دشمن۔ جمہوریت میں اپنے جمہور کو عقیدہ اور عمل کی آزادی کا پورا پورا حق حاصل ہے۔

(۴) اسلامی حکومت میں ایک امیر ہوتا ہے۔ قانون کے علمبردار انسان ہوتے ہیں۔ تاج تخت اور ایوان شاہی نہیں ہوتا ولیعہد نہیں ہوتا نہ شہزادے ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس جمہوری حکومت میں حکومت کا صدر ہوتا ہے۔ جمہور ملک کے باشندے ہوتے ہیں۔ (۵) جمہوری حکومت نام ہے جمہور کی حکومت کا۔ جمہوریت میں حکم کا سرچشمہ مرضی جمہور ہے۔ جمہور اپنی حکومت نظام حکومت قانون حکومت سب کچھ خود بناتے ہیں اور خدا کے حکم کی پرواہ نہیں کرتے، اس کے برعکس اسلامی حکومت امامت، خلافت اور امارت شوریٰ کا نام ہے۔ اس حکومت میں خدا کی مرضی اصل ہے۔ احکام کا سرچشمہ خداوند تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔ رائے عامہ اس کے تابع اور زیر اثر ہے۔

(۶) اسلامی حکومت میں امت کا ہر فرد حکومت کے امور میں براہ راست شریک ہوتا ہے۔ ہر شخص شوریٰ میں بذات خود پہنچ کر ارکان حکومت کے سامنے رائے پیش کر سکتا ہے۔ جمہوری حکومت میں ووٹ دیتے ہیں اور اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں۔ اصل جمہور نہ حکومت کی کرسی تک پہنچ سکتے ہیں نہ جمہوری ایوان میں داخل ہوسکتے ہیں۔ (۷) جمہوریت کا مرکز کمزور ہوتا ہے۔ صدر کو جمہوری ایوان کا خیال رکھنا پڑتا ہے، اگر جمہور خلاف قانون کسی فیصلہ پر جمع ہوجائیں تو حکومت الٹ جاتی ہے۔ حالات عام ہوں یا خاص حکومت کے کاموں کی رفتار سست رہتی ہے۔ بے لگام آزادی کی وجہ سے جمہور ہر وقت مرکز کو پارہ پارہ کرنے اور مرکز سے جدا ہونے کیلئے تیار رہتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلامی حکومت کا امام طاقتور ہوتا ہے۔ عام حالات میں اس کے حکم سے دنیا ادھر ادھر ہوجاتی ہے، اس کا ہر فیصلہ امرالہیٰ کے عین مطابق، اس کا عمل اتباع سنت اور اسوہ صحابہؓ سے مستفیض

اور مستنیر ہوتا ہے۔ امیر یا خلیفۃ المسلمین شوریٰ کے فیصلہ کو اپنا فیصلہ سمجھتا ہے، اس کے بعد امیر کا ایک اشارہ بھی کافی ہے۔ جمہور اس کی اطاعت کرینگے وگرنہ باغی سمجھے جائیں گے۔ (۸)۔ جمہوریت کا صدر جمہوری ایوان کی طرح اپنے وقت مقررہ کے لیے ہوتا ہے اور تاریخ مقررہ پر اپنے عہدے سے سبکدوش ہوجاتا ہے۔ صدر ہونے کے لیے یہ شرط ضروری نہیں کہ وہ قوم کا اچھا فرد ہو قانون الٰہی کا فرمانبردار ہو چاہے زانی بدمعاش اور عملی طور پر خدا کا دشمن ہی کیوں نہ ہو صرف ووٹوں کی اکثریت شرط اول ہے اس کے برعکس اسلامی حکومت کا امیر امت کا سب سے بڑا رہنما سب سے اعلیٰ ماہر قانون کتاب وسنت کو سب سے زیادہ جاننے والا اور اس پر عمل کرنے والا فرد ہو۔

نظام مصطفیٰ میں امیر مملکت کی ذمہ داریاں :- (۱) نظام مصطفیٰ میں عدل وانصاف کی یکسانیت اور افراد امت کی خدمت اصل بنیاد ہے۔ اسلام میں امیر یا خلیفہ یا مروجہ لفظ سربراہ حکومت راہ حق کا راہنما بھی ہوتا ہے اور قوم کا خادم بھی۔ وہ نیابت الٰہی کے منصب عظیم سے اگرچہ تمام امت کا والی ہوتا ہے لیکن اس کے عزل ونصب میں افراد امت دخیل ہوتے ہیں وہ مہمات امور ضروریہ میں شوریٰ کا پابند ہوتا ہے۔ (۲)۔ نظام مصطفیٰ میں خلافت کا ایک ایسا مضبوط نقشہ پیش کیا گیا ہے جس میں امیر اور خلیفہ اور جماعت مسلمین کے درمیان ایک لمحہ کے لیے بھی حاکم اور محکوم کا علاقہ قائم نہیں ہوتا۔ (۳) نظام مصطفیٰ میں مساوات عام کو اساس بناکر جماعتی اور شخصی اقتدار کی جنگ کا خاتمہ کردیتا ہے۔ ایک حدیث ہیں:

" قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامن امتی احد ولی عن امر الناس شیئاً لم یحفظھم بما حفظہ بہ نفسہ واھلہ الا لم یجد رائحۃ الجنۃ " (طبرانی معجم صفر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے اگر کوئی شخص لوگوں کے معاملات کا والی بنا اور اس نے ان کے معاملات کی اس طرح حفاظت نہ کی جس طرح اپنی اور اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتا ہے تو جنت کو بو بھی نہیں پائے گا۔ دوسری حدیث میں

" عن سلمان قال ان الخلیفہ ھوالذی یقضی بکتاب اللہ یشفق علی الرعیۃ شفقۃ الرجل علی اھلہ فقال کعب الاحبار صدق " (حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ صحیح معنی میں خلیفہ وہی ہے جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے اور رعیت پر اس طرح شفقت کرے جس طرح ایک شخص اپنے اہل وعیال پر شفقت کرتا ہے۔ کعب احبارؓ نے یہ سنا تو فرمایا سلمان! تو نے صحیح کہا۔ (۴)۔ نظام مصطفیٰ میں عدل وانصاف اور زندگی کے تمام شعبوں میں امیر ومامور اور

رعایا ورائی مساوی میں مصر کے فاتح اور گورنر حضرت عمر بن عاصؓ کے بیٹے عبداللہ بن عمر نے ایک مصری کو کوڑے سے پیٹا۔ مصری بھاگ کر مدینہ منورہ آیا اور دربار خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن عاصؓ کو ان کے بیٹے سمیت مدینہ منورہ بلایا ان کی موجودگی میں مصری کو حکم دیا کہ وہ عبداللہ بن عمر سے اپنا بدلہ لے۔ حضرت عمر بن عاصؓ دیکھ رہے تھے کہ انکا بیٹا ایک عام مصری کےہاتھ سے پٹ رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا "متی استعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احراراً"

(تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنالیا حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد پیدا کیا۔ (۸)۔ اسلامی ریاست میں امیر مملکت رعایا کی خوش حالی اور ان کے ہر قسم کے حقوق کی حفاظت کا ضامن ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رعایا کی خوشحالی اور ان کے ہر قسم کے حقوق کی حفاظت کا ضامن ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رعایا کی خوشحالی اور ان کی انتہائی نگہداشت کے سلسلہ میں راتوں کو تفتیش حالات کےلیے گشت کرتے تھے لیکن اس کو کافی نہیں سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ شب کا گشت تمام قلمرو میں پورے سال کیا کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ہر قسم کی کوشش کے باوجود لوگوں کی بعض حاجات یقیناً پوری ہونے سے رہ جاتی ہیں کیونکہ وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ عمّال شاید مجھ تک نہ پہنچاتے ہوں اس لئے دو مہینے مصر دورہ کروں گا دو مہینے بحرین اسی طرح دو مہینے کوفہ وبصرہ کا۔ (۹)۔ اسلامی ریاست میں امیر مملکت قومی خزانہ کا امین ہوتا ہے۔ قومی خزانہ میں قوت لایموت روزینہ حاصل کرکے باقی دولت قوم کی ضروریات پر صرف ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے کسی شیریں چیز کھانے کیلئے بیت المال سے جو وظیفہ ملتا تھا اس میں سے حلوہ تیار کیا تو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس قدر زائد رقم کو روزینہ سے کم کردیا۔ (۱۰)۔ نظام مصطفےٰ نے شاہ وگدا کو جس طرح عبادات میں محمود و آیاز کو ایک صف میں کھڑا کردیا اسی طرح عدل وانصاف میں امیر مملکت کو بھی عام شہری کے برابر کھڑا کردیا۔ شاہ غسان جبلہ بن الہیم مسلمان ہوکر خانہ کعبہ کا طواف کرنے آیا اتفاقاً ایک غریب اعرابی کا پاؤں شہزادے کے ازاربند پر پڑیگا شہزادے نے طیش میں آکر اعرابی کے منہ پر طمانچہ رسید کردیا۔ اعرابی دربار خلافت میں انصاف طلب کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جبلہ کو طلب فرمایا حکم دیا اعرابی جبلہ کے منہ پر اسی طرح طمانچہ رسید کرے جس طرح جبلہ نے اعرابی کے منہ پر طمانچہ رسید کیا تھا۔ جبلہ نے کہا یا امیرالمومنین! مجھے اور ایک عام بدوی کو کس چیز نے برابر کردیا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "اسلام نے"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی مساوات

کی ایک ایسی سنہری مثال قائم کی کہ اسلامی حکم کے مقابلہ میں ایک جبلہ کیا ہزار جبلہ بھی ظلم وزیادتی کرے تو اس سے بھی قصاص اور بدلہ لیا جاسکتا ہے۔ (۱۱) نظام مصطفےٰ میں امیر مملکت پوری قوم کے سامنے جواب دہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبویؐ میں جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص اٹھا، حضرت عمرؓ سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے مال غنیمت کی جو چادریں ہمیں ملی ہیں ان سے ہمارا کرتہ نہیں بن سکا لیکن آپ مال غنیمت کی چادروں کا کرتہ پہنے ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کھڑے ہوکر اس شخص کے سوال کا جواب دیا کہ میں نے اپنے حصہ کی چادر اپنے والد کو دے دی جس سے امیرالمومنین کا کرتہ مکمل ہوا۔ وہ شخص مطمئن ہوا۔ امیر مملکت پوری قوم کا امین ہوتا ہے اور اس کے مال کی اس طرح حفاظت کرتا ہے جس طرح ماں اپنے بچے کی حفاظت کرتی ہے۔ ایک دن عراق کا ایک وفد سیدنا حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک وفد حاضر خدمت ہوا۔ اس میں احنف بن قیس بھی تھے۔ سخت گرمی کا موسم تھا حضرت عمرؓ اپنی عبا کا عمامہ باندھکر بیت المال کے اونٹ کو روغن مل رہے تھے فرمایا احنف! کپڑے اتار اور اس اونٹ کے سلسلے میں میری مدد کر کیونکہ یہ بیت المال کا اونٹ ہے اس میں بہت سے یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کا حق ہے۔ ایک شخص بولا امیرالمومنین! آپ کسی غلام کو کیوں نہ حکم دیا؟ آپ نے فرمایا مجھ سے اور احنف سے بڑا کون غلام ہوگا۔ جو شخص مسلمانوں کے امور کا والی بنے اس پر واجب ہے غلام کی طرح مخلص اور امین رہے۔

قومی خدمت ایک عبادت ہے
اور
سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے
سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے
Servis
قدم قدم حسین قدم قدم

افکار و تاثرات

قارئین بنام مدیر

محترم المقام جناب مدیر صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

امید ہے کہ مزاج بعافیت ہونگے ۔ آپکو علم ہے کہ چند سال پیشتر یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے وفاق المدارس کی سند "شہادۃ العالمیہ" کو ایم. اے عربی واسلامیات کے مساوی قرار دیا تھا اور ساتھ ہی یہ شرط عائد کردی تھی کہ سند تعلیمی اداروں میں ایف. اے کے جزوی امتحان کے بغیر قبول نہ ہوگی ۔دینی مدارس اور اسلامی جامعات کے فضلاء کے ساتھ ایک کھلا مذاق تھا کہ ایک طرف توانکی سند کو ڈبل ایم. اے تسلیم کیا گیا اور دوسری طرف ایف. اے کے جزوی امتحان کی شرط عائد کرکے اسکی تذلیل کی گئی ۔ افسوس صد افسوس کہ فضلاء باہمی ربط نہ ہونے کے باعث اس پر کوئی رد عمل ظاہر نہ کرسکے اور لاپرواہی کی لمبی چادر تان کر غفلت کی گہری نیند سوتے رہے ۔ جب یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کا مذکورہ بالا نوٹیفکیشن جاری ہوا تو پہلے تو فضلاء کو کالجز میں لیکچرار کے طور پر بھی قبول کیا گیا لیکن بعد ازاں ٹیچرشپ کیلئے بھی متعدد شرائط عائد کردی گئیں ۔ فضلاء کرام اس پر بھی مہر بلب رہے اور کوئی ٹس سے مس نہ ہوا ۔ اس طویل خاموشی کا نتیجہ یہ نکلا کہ وفاق کی سند کی حکومتی اداروں میں کوئی خاص اہمیت نہ رہی اور یہ بھی آپ کے علم میں ہوگا کہ حال ہی میں حکومت پنجاب نے عربی اساتذہ کی تقرری کے لئے ایف. اے کی سند لازمی قرار دی ہے اور ان آسامیوں پر تقرری کے وقت دینی مدارس وجامعات کے فضلاء کو یکسر نظر انداز کردیا گیا ہے ۔اس ساری صورتحال سے ہم بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ مغرب زدہ طبقہ ہمارے ساتھ کیا سلوک روا رکھنا چاہتا ہے اور کس طرح ہمیں جاہل ثابت کرکے معاشرے میں رسوا کرنے کیلئے پر تول رہا ہے اور ہم ہیں کہ اپنے حقوق کے حصول اور تحفظ سے دلچسپی ہی نہیں کہ

ع کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا ۔

محترم مدیر صاحب ! عصر حاضر شعور اور بیداری کا دور ہے ۔ ہر طبقہ کے لوگ منظم ومربوط ہوکر اپنے حقوق کے تحفظ کیلئے مرمٹنے کو تیار ہیں لیکن دینی مدارس وجامعات کے فضلاء اپنے حقوق سے یکسر غافل ہیں ۔ فضلاء کے حقوق کے تحفظ اور انکی شیرازہ بندی کیلئے اکابر کے مشورہ سے رابطہ فضلاء اسلامی پاکستان کے نام سے ایک فورم مہیا کیا گیا ہے کہ تاکہ فضلاء منظم ومربوط ہوکر اپنے حقوق کے حصول اور تحفظ کیلئے جدوجہد کا آغاز کرسکیں اور عریضہ لکھنے کا مقصد یہی دعوت دینا ہے

والسلام ! آپکی صائب آراء کا منتظر : محمد ادریس ڈیردی صدر رابطہ فضلاء اسلامی پاکستان

تبصرہ کتب

حافظ محمد ابراہیم فانی

خطبات احتشام:۔ خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمہ اللہ

مرتب:۔ حافظ محمد اکبرشاہ بخاری ۔ صفحات:۔ جلد اول ۴۳۸ ۔ دوم: ۲۷۶

قیمت درج نہیں ۔ ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

خطیب اسلام حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو میدان خطابت میں اللہ تعالیٰ نے جو مقام عطا فرمایا ہے بہت ہی کم خطباء مقررین اور واعظین کے حصہ میں یہ رتبہ آیا ہوگا۔ ان کا شمار برصغیر کے ان چیدہ خطباء میں ہوتا ہے جنہوں نے فن خطابت کو ایک نئی جہت دی اور اسے ایک جدا آہنگ اور نرالے اسلوب سے آشنا کیا۔ آپ کی تقریر سننے کیلئے ہمیشہ بڑے بڑے علماء جید فضلاء اور اسی طرح دیندار افسران دور دراز مقامات سے تشریف لاتے۔ جمعہ کا خطبہ سننے کیلئے لوگ صبح ہی سے جیکب لائن کی جامع مسجد میں جہاں آپ خطبہ جمعہ دیتے۔ اپنے لئے بیٹھنے کی جگہ منتخب کرتے نہ صرف خواص بلکہ عوام کی کثیر تعداد آپکی وجد آفرین خطاب کو بہت ہی انہماک سے سنتے اور آپکی آواز کے سحر برجستہ فقروں شستہ جملوں اور برمحل اشعار سے پوری طرح محظوظ ہوتے۔ تقریر سے قبل آپ اپنی مخصوص لے میں جب قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تو مجمع پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوجاتی۔ جس سے قرآن کی حلاوت دلوں میں مزید جاگزیں ہوتی۔ چونکہ آپ ایک جید عالم دین تھے اس لیے آپ کی تقریر میں عالمانہ نکتہ آفرینیوں، ادیبانہ بذلہ سنجیوں اور پروقار مزاح وطنز کا ایک حسین امتزاج ہوتا۔ مکتبہ تالیفات اشرفیہ نے آپکے ان پرمغز خطبات کی دوجلدیں شائع کرکے نہ صرف عامۃ المسلمین پر احسان عظیم کیا ہے بلکہ علماء و خطباء کیلئے ہرایک خوبصورت سوغات اور دلکش معلومات افریں مرقع تیار کیا ہے۔ امید ہے کہ نہ صرف خطباء واعظین اور مقررین اس سے فائدہ اٹھائیں گے بلکہ ہر طبقہ فکر کیلئے اس میں مطمئن کرنے کیلئے کافی مواد موجود ہے۔ کتاب کے چند اہم موضوعات یہ ہیں:

بسم اللہ کے رموز ونکات، قرآن کریم انقلاب افرایں، دستور حیات، اسوہ رسول اکرمؐ واجماع صحابہؓ، حب نبویؐ، محسن انسانیت، دین اور تجدد کی کشمکش، صفات الٰہیہ، انسان کی منزلیں، موت کیا ہے؟، عقل ونقل، اسلام میں عورت کا مقام، طریقہ بندگی، سکون قلب اور محبت الٰہیٰ جیسے بیسیوں پرمغز موضوعات پر خطبات کی یہ بے مثال کتاب مشتمل ہے۔

۷۴۴

کیپٹن محمد جاوید اختر شہید مرتب: ڈاکٹر قاری حافظ فیوض الرحمن
صفحات: ۲۱۴ ناشر: طیب اکیڈمی بیرون بوہڑ گیٹ ملتان۔

پاکستان کے عظیم سپوت کیپٹن محمد جاوید اختر شہید جنہوں نے دفاع وطن کی خاطر دنیا کے بلند ترین محاذ جنگ سیاچین میں جام شہادت نوش کیا۔ آپ ایک نہایت جری بہادر اور جفاکش فوجی جوان تھے۔ اور اپنی جرات و شجاعت و مہم جوئی کی بدولت کئی انعامات اور شیلڈز حاصل کئے تھے۔ سیاچین میں ڈیوٹی اور فرائض منصبی انجام دینے کے دوران آپکو چند سپاہ کے ساتھ نوید پوسٹ سے زمینی رابطے کے سلسلے میں ۲۲ ہزار فٹ بلندی پر دشمن کی فوری ناکہ بندی کی مہم سونپی گئی۔ یہ کئی دنوں کی خطرناک مسافت تھی جسے وہ بڑی بہادری اور بے جگری سے طے کرتے جارہے تھے کہ ۱۸ رمضان ۱۴۰۹ ہجری بمطابق ۲۵ اپریل ۱۹۸۹ء کو ۱۸ ہزار فٹ کی بلندی پر افطاری اور مغرب کی نماز ادا کرنے کیلئے رکے ابھی نماز سے فارغ ہوکر دشمن کیخلاف منصوبہ بنا ہی رہے تھے کہ اوپر سے ایک برفانی تودہ آگرا جس سے وہ اپنے دیگر چار ساتھیوں سمیت شہید ہوگئے اور انکی لاشیں آج تک نہیں ملیں۔ ہمارے مخدوم جناب قاری فیوض الرحمن صاحب جنکو اللہ تعالیٰ نے تصنیف وتالیف، سوانح نگاری اور تذکرہ نویسی کا اعلیٰ ذوق عطا فرمایا ہے۔ نے شہید موصوف کے متعلق مختلف حضرات کے ایمانی حرارت سے بھرپور تاثرات اور جہادی جذبے سے سرشار احساسات جمع کرکے ایک دلکش گلدستہ کی صورت میں قوم کے سامنے پیش کیے ہیں۔ کتاب ظاہری حسن اور خوبی کے ساتھ معنوی جاذبیت سے بھی مملو ہے اور ہر ایک مضمون پڑھتے وقت قاری ایک وجدانی کیفیت سے سرشار ہوجاتا ہے۔

کیا نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا سنت ہے؟ مولف: مفتی ولی درویش
صفحات، ۱۵۰۔ قیمت درج نہیں۔ ناشر: اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵

یہ مختصر رسالہ درحقیقت ایک غیر مقلد خاکی جان کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ جنہوں نے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کو سنت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور وہ لوگ یعنی عامۃ المسلمین جو نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتے ان پر بے جا اعتراضات کیے ہیں۔ چنانچہ مفتی محمد ولی صاحب درویش استاد جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی نے ان کے اعتراضات کا بھرپور جواب دیا ہے۔ اس وجہ سے کتاب میں مناظرانہ رنگ نمایاں ہے۔ اس رسالے کے مطالعہ کے بعد امید ہے کہ غیر مقلدین حضرات اپنی بے جا ہٹ دھرمیوں کو چھوڑ کر اس دور افتراق و انتشار میں امت کے اتحاد کو مزید پارہ پارہ کرنے کی مذموم جسارت سے باز آجائینگے۔ (م۔ا۔ف)

۸۴۴

The First Name in Bicycles, brings ANOTHER FIRST

SOHRAB VIP SPORTS

Sohrab, the leading national bicycle makers now introduce the last word in style, in elegance, in comfort... absolutely the last word in bicycles.

PAKISTAN CYCLE INDUSTRIAL COOPERATIVE SOCIETY LIMITED

National House, 47 Shahrah-e-Quaid-e-Azam, Lahore, Pakistan.
Tel: 7321026-8 (3 lines). Telex: 44742 CYCLE PK. Fax: 7235143. Cable: BIKE

Regd.No.P - 90 *Monthly* "AL-HAQ" *Akora Khattak*

Adarts-HRA-11/96